حدیث، فقہ اور جہاد کی

شرعی حیثیت

قائد اہل سنت
علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

حدیث، فقہ اور جہاد کی

شرعی حیثیت

قائد اہل سنت

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

نام کتاب	حدیث، فقہ اور جہاد کی شرعی حیثیت
مصنف	قائد اہلسنّت علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ
ترتیب وتقدیم	ڈاکٹر غلام زرقانی
تاریخ اشاعت	دسمبر 2007ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	MT21
قیمت	-/105 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ

ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی آلہ

وصحبہ اجمعین

شرعی حیثیت

شرف انتساب

استاذی الکریم

مخدومی ومتاعی

حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ

کے نام

جن کی درسگاہ میں زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادتیں حاصل ہوئیں

دعا جو

غلام زرقانی

مشمولات

باب دوم

فقہ حنفی کی شرعی حیثیت

باب سوم

جہاد اسلامی کی شرعی حیثیت

حرف ابتداء

اسلام اپنی واضح ، روشن وتابناک اور پائیدار بنیادوں پر جبل شامخ کی طرح زمین کے سینے پر پوری شان وشوکت کے ساتھ ایستادہ ہے۔ یہی وہ عمارت ہے جو خوفناک زلزلوں کی ہلاکت خیزیوں سے بھی محفوظ رہی ، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور حوادث بھی اسے متاثر نہ کر سکے اور نہ ہی فکر ونظر کی بے محابا آندھیاں ہی اس کی صاف وشفاف دیواروں پر خراش لگا کر اسکی پزیرائی ، دلگرفتگی اور حسن ورعنائی کو مخدوش کرنے کی جرأت کر سکیں ......لیکن رہی بات اس حوالے سے ہونے والی سازشوں کی ! تو یہ امر مسلم ہے کہ خواہ وہ نام نہاد مسلمانوں کی ٹولی ہو یا اسلام دشمن عناصر کا دستہ ، دونوں گروہوں نے اسلامی اقدار کو داغدار کرنے کی ہر دور میں استطاعت بھر کوششیں کی ہیں ....اور پھر خوش عقیدہ مسلمانوں کا ایک ہوشمند

طبقہ اپنی جملہ توانائیاں سمیٹ کر قلم کی تلوار تھامے میدان کارزار میں دفاع اسلام کے لیے ٹوٹ پڑا......عینی شاہدین گواہ ہیں کہ اس ضمن میں اپنوں اور غیروں کی کوئی تمیز باقی نہ رہی۔ اگر کوئی خونی رشتہ دار بھی مخالفین کی صفوں میں نظر آیا تو اسے کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی تأمل نہ کیا گیا۔ اور جب علمی نوک جھوک کا معرکہ اپنے شباب پر پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ مہمل اعتراضات کی بنیادیں زیر وزبر کی جارہی ہیں......متعصبانہ افکار کے قلوب عدل وانصاف کے خنجر سے گھائل ہورہے ہیں ......اور متصادم نظریات کی تڑپتی ہوئی لاشوں کے انبار سے زمین کا سینہ سرخ ہورہا ہے.....کہنے دیا جائے کہ اسی ہوشمند، ذی استعداد اور عبقری طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک مخلص سپاہی کو دنیا ''قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ'' کے نام سے جانتی ہے۔

میرے اس مفروضے کو امر یقینی کے پیکر محسوس میں دیکھنے کی خواہش ہوتو زیر نظر مجموعہ کے مشتملات کا جائزہ لیں......پہلا مقالہ شریعت اسلامیہ میں حدیث کی واقعی حیثیت کے حوالے سے ہے، جس میں قرآنی آیات، دلائل و براہین اور اسلاف کے معمولات کے ذریعہ حجیت حدیث کی حقانیت ثابت کی گئی ہے.....دوسرا مقالہ فقہ کے مقام کی تعیین کے حوالے سے ہے، جس میں فقہ کا مفہوم، اس کی تاریخ اور اسلامی پس منظر میں اس کی ضرورت پر عقلی اور نقلی استدلالات کے ذریعہ حقائق کو آفتاب نیم روز کی طرح عیاں کیا گیا ہے......اور تیسرا مقالہ جہاد کے حوالے سے ہے، جس میں قائد اہل سنت علیہ الرحمہ نے اسلام دشمن عناصر کے ذریعہ فریضۂ جہاد پر ہونے والے بے بنیاد اعتراضات کا تعاقب کرتے ہوئے ''جہاد'' کی صحیح اسلامی شکل سے دنیا کو آگاہ کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اور کمال دانشمندی سے یہ ثابت کیا ہے کہ

جہاد کسی تخریبی قتل وغارتگری سے عبارت نہیں ہے بلکہ یہ وہ مقدس فریضہ ہے جس کی بنیاد عدل وانصاف، حق وصداقت، انسانیت دوستی، اور شرافت وپاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔ یہ ظلم وبربریت، درندگی اور قتل وخون کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بلکہ مظلوموں کی دادرسی، بے سہاروں کی مدد اور کمزوروں کو ان کے حقوق واپس دلوانے کا ایک قابل اعتماد ذریعہ ہے۔

اس میں دورائے نہیں کہ یہ تینوں مقالے نہایت فاضلانہ اور وقیع ہیں۔ پہلا مقالہ فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کی کتاب ''انوار الحدیث'' کے مقدمے کے لیے نوک قلم سے صفحۂ قرطاس پر رقم ہوئے، دوسرا مقالہ آپ ہی کی دوسری کتاب ''فقہی پہیلیاں'' کے پیش لفظ کے لیے سپرد قلم ہوئے اور تیسرا مقالہ علامہ نور بخش توکلی کی کتاب ''محمد عربی میدان جنگ میں'' کی تقدیم کی غرض سے لکھے گئے۔

قائد اہل سنت کی دیگر ترتیب شدہ مجموعہ کی طرح اسے بھی حوالہ کی تخریج، ضمنی عناوین اور حواشی سے مزین کیا گیا ہے۔ اس کام میں جن احباب کا مجھے تعاون حاصل رہا، ان میں مفتی عابد حسین صاحب جامعہ فیض العلوم جمشید پور اور مفتی اشتیاق احمد جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کا ذکر نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔

اسی کے ساتھ بعض حوالہ جات کے لیے عزیزم مولانا نور العلی طالب علم جامع ازہر مصر اور حواشی کے احالات کے لیے مولانا مدثر طالب علم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت اور لگن سے میری گزارشات پر عمل کیا۔

کمپیوٹر کی کتابت پر نظر ثانی کا مرحلہ بھی بڑا مشکل ترین ہوتا ہے۔ میں شکر گزار ہوں اپنی اہلیہ کا، جنہوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ اس کی پروف ریڈنگ کی۔

قائد اہل سنت علیہ الرحمہ کے بکھرے ہوئے قلمی اثاثے کی ترتیب کی یہ پانچویں کڑی ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اس حوالے سے مزید خوش خبریاں آپ کے گوش گزار ہوں گی۔

کہنے کو ایک ذرۂ ناچیز ہیں مگر
تعمیر کائنات کے کام آرہے ہیں ہم

جانشین قائد اہل سنت

غلام زرقانی قادری

ہیوسٹن　　۲۰/ جون ۲۰۰۶ء

کی

شرعی حیثیت

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

اِنْ هُوَ

اِلَّا

وَحْيٌ يُّوْحٰى

(القرآن الکریم، سورہ النجم، آیت: ۳،۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو وحی ہی ہے جو انہیں کی جاتی ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله هو المعين	إياه نعبد و نستعين
معترفاً له با لاختصاص	ما حوته سورة الإخلاص
سلطانه في الأرض و السماء	رب الجلال و على العلاء
ثم صلاته على من أيدا	يا حسن الحديث أعنى أحمدا
قطب الوجود و كذا سلام	لم يكتنه لكنهه الأنام
و دخل الآل بذا أهل الشرف	و صحبه و من تلا من السلف

أما بعد: ایک عرصۂ دراز سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ عامۂ مسلمین اہل سنت کے لئے اردو زبان میں احادیث مقدسہ کا کوئی مستند مجموعہ مرتب کیا جائے لیکن کسی بھی زبان کے مطالب و معانی کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جتنا مشکل کام ہے، وہ اہل علم و بصیرت پر مخفی نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ احادیث نبوی

کا اردو ترجمہ تو اس لحاظ سے اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ ایمان و اسلام کی تفصیلات اور شریعت کے احکام کا وہ اصل ماخذ بھی ہے۔ اس لئے مطالب و معانی کی تعبیر میں الفاظ و بیان کی ذرا بھی لغزش ہوگئی تو نہ صرف یہ کہ اسلام کے شارح کا مقصود و مدعا ادا ہونے سے رہ جائے گا بلکہ اسلامی دستور کی وہ روح متاثر ہو جائے گی جو عملی زندگی کے بے شمار گوشوں پر حاوی ہے۔ اس لئے ترجمۂ احادیث کے سلسلے میں صرف ہر دو زبان کی واقفیت کافی نہیں ہے، بلکہ مطالب و معانی کی صحیح تعبیر پر قدرت کے ساتھ ساتھ حدیث فہمی کی فقہی بصیرت، شروح و تاویلات کا گہرا مطالعہ، اسلاف کے دینی و فکری مزاج اور ذات نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ غایت عشق و عقیدت اور والہانہ جذبہ و احترام کا تعلق بھی نہایت ضروری ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی زید مجدہم اس عظیم خدمت کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہو گئے اور سالہا سال کی محنت و عرق ریزی کے بعد انہوں نے مستند حدیثوں کا ایک اردو مجموعہ مرتب کر کے قوم کے سامنے پیش کیا، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

میں اپنے علم و یقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ مولانا موصوف اپنے علم و تقویٰ، بصیرت و ذکاوت اور عشق و وجدان کی لطافتوں، طہارتوں اور سعادتوں کے اعتبار سے قطعاً اس خدمت کے اہل ہیں اور بلا شبہ ان کی یہ خدمت احترام و اعتماد کی نظر سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اہل حق کی طرف سے انہیں اس گرانمایہ خدمت پر اجر جزیل اور جزائے جلیل و بے مثیل عطا فرمائے اور احادیث صحیحہ کا یہ اردو

مجموعہ بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سند قبول کی عزت سے سرفراز کرے۔

رسم معہود کے مطابق عزیز موصوف نے اپنے اس گراں قدر مجموعے کا پیش لفظ لکھنے کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت و ناسزاوار کو اتنی بار مجبور کیا کہ اب معذرت کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ویسے یہ امر واقعہ ہے کہ اس عظیم منصب کا میں اہل نہیں ہوں لیکن صرف اس لالچ میں قلم اٹھا رہا ہوں کہ شاید عرصۂ محشر میں یہی چند سطریں میرے نامۂ اعمال کی ارجمندیوں کا پیش لفظ بن جائیں۔

احادیث نبوی کی نشر و اشاعت کی خدمت بجا طور پر دونوں جہاں کا سب سے بڑا اعزاز ہے لیکن حیات مستعار کے چند لمحوں کا یہ مصرف بھی کچھ کم قابل فخر نہیں کہ دشمنان حق کی طرف سے احادیث مقدسہ کی حرمت و ناموس پر کئے گئے حملوں کا دفاع کر کے دلوں کے تاریک ویرانوں میں حقیقت و یقین کا اجالا پھیلایا جائے۔

اسی جذبے کی تحریک پر میں نے اپنے پیش لفظ میں حدیث کی دینی حیثیت، تدوین حدیث کی علمی و تاریخی انفرادیت اور فتنۂ انکار حدیث اور اس کے اسباب و محرکات پر بے لاگ بحث کر کے بہت سے وہ حقائق بے نقاب کئے ہیں جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

خدا کرے میرے قلم کی یہ کاوش اہل علم کی بارگاہوں سے وقعت و اعتماد کی سند حاصل کرے اور عامۂ مسلمین دشمنان حق کی ان سازشوں سے باخبر ہو جائیں جو انکار حدیث کے جذبے کے پیچھے کارفرما ہیں۔

حدیث کی تعریف اور اس کی قسمیں

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی تعریف یہ کی گئی ہے

الحدیث یطلق علی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم تصریحا و حکما و علی فعله و تقریره، و معنی التقریر هو ما فعل بحضوره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و لم ینکره علیه او تلفظ به أحد من الصحابة بمحضر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و لم ینکره و لم ینهه عن ذلک بل سکت وقرر. [1]

ترجمہ: حدیث کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو وہ صراحۃً ہو یا حکماً اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریر کو۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو کوئی کام کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع نہیں فرمایا، یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی بات کہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رد نہیں کیا بلکہ خاموش رہے

۱۔ النخبۃ النبہانیہ: الشیخ احمد النبہانی، ص:۵، ت: ۱۳۴۳ھ، ط: غ، التقدم العلمیہ بجوار جامع ازہر الشریف مصر

اور عملاً اسے ثابت فرمادیا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

﴿ و كذا يطلق الحديث على قول الصحابة و على فعلهم و على تقريرهم ، و الصحابى هو من اجتمع بالنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مؤمنا و مات على الإسلام. ﴾ [۱]

ترجمہ: اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول وفعل اور ان کی تقریر پر بھی۔ اور صحابی کہتے ہیں اس محترم ہستی کو جسے بحالت ایمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا۔

پھر فرماتے ہیں:

﴿ و كذلك يطلق الحديث على قول التابعين و فعلهم و تقريرهم، والتابعى هو من لقى الصحابى وكان مؤمنا بالنبى صلى الله تعالي عليه وسلم و مات على الإسلام ﴾ [۲]

ترجمہ: اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے تابعین کے قول وفعل اور ان کی تقریر پر بھی اور تابعی کہتے ہیں اس معظم ہستی کو جس نے بحالت ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا۔

۱۔ النخبۃ النبھانیۃ: الشیخ احمد النبھانی، ص:۷،

۲۔ ن م، ص: ۸

حدیث کی بنیادی قسمیں

اس لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہوگئیں جس کی تشریح حضرت شیخ محقق سیدی شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے یوں فرمائی ہے

﴿ ما انتهى إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقال له المرفوع. و ما انتهى إلى الصحابى يقال له موقوف. و ما انتهى إلى التابعى يقال له المقطوع. ﴾ [2]

ترجمہ: جس حدیث کا سلسلۂ روایت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے، اسے حدیث "مرفوع" کہتے ہیں۔ اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی صحابی تک منتہی ہوتا ہے اسے "حدیث موقوف" کہتے ہیں۔ اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی تابعی تک منتہی ہوتا ہے اسے "حدیث مقطوع" کہتے ہیں۔

حدیث کی دینی حیثیت

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ احکام شریعت کا پہلا سرچشمہ قرآن عظیم

۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ میں عبور رکھتے تھے۔ ہندوستان میں حدیث کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تقریباً ۶۰ کتابیں آپ سے منسوب ہیں۔ اشعۃ اللمعات، مدارج النبوۃ وغیرہ مشہور ہیں ۱۶۴۲ء میں انتقال فرمایا دیکھئے! حیات شیخ عبدالحق: خلیق احمد نظامی، ت: ۱۹۶۴ء، ط: غ، مکتبہ جامعہ دہلی

۲۔ مصطلحات الحدیث: الشیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی، ص: ۱۴، ت: ۲۰۰۴ء، ط: ۱، مط: بھارت آفسیٹ پریس دہلی، ن: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

ہے وہ خدا کی کتاب ہے اور قرآن ہی کی صراحت و ہدایت کے بموجب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع بھی ہر مسلمان کے لئے لازم وضروری ہے کہ بغیر اس کے احکام الٰہی کی تفصیلات کا جاننا اور آیات قرآنی کا منشا و مراد سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اب لامحالہ حدیث بھی اس لحاظ سے احکام شرع کا ماخذ قرار پا گئی کہ وہ رسول خدا کے احکام و فرامین، ان کے اعمال، افعال اور آیات قرآن کی تشریحات و مرادات سے باخبر ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔

اب ذیل میں قرآن مبین کی وہ آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں، جن میں نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ بار بار رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ...... ﴾ ۱

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول سے روگردانی نہ کرو۔

﴿ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا...... ﴾ ۲

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو کہ بکھر کر کمزور ہو جاؤ گے۔

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۸، آیت: ۲۰

۲۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۸، آیت: ۴۶

﴿ وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ﴾ ۱

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس منصب کے ساتھ کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

﴿ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ.. ﴾ ۲

ترجمہ: اے رسول! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم خدا سے دوستی کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہیں اپنا دوست بنائے گا۔

﴿ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ......... ﴾ ۳

ترجمہ: آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے ان معاملات میں آپ کو اپنا حاکم نہ مان لیں جن میں ان کے آپس کا جھگڑا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُو اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ...... ﴾ ۴

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۴، آیت: ۶۴

۲۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۳، آیت: ۳۱

۳۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۴، آیت: ۶۵

۴۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۴ ، آیت: ۵۹

اطاعت کرو جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول کی جانب رجوع کرو۔

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَاتُبْطِلُوْااَعْمَالَكُم ﴾ ۱

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ ۲

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

﴿ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ ۳

ترجمہ: اے رسول! تم فرمادو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿ وَ مَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ ۴

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۴۷، آیت: ۳۳

۲۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۴، آیت: ۸۰

۳۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۳، آیت: ۳۲

۴۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۵۹، آیت: ۷

ترجمہ: اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ...... ﴾ ا

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

مذکورہ بالا آیات قرآنی کی رو سے اہل اسلام کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مرکز اطاعت اور مرجع اتباع ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔ لہذا اس اعتبار سے اب رسول خدا علیہ والتحیۃ والثناء کا ہر حکم ہمارے لئے اسی طرح واجب الاطاعت ہے جس طرح قرآن کے ذریعہ ہم تک پہنچنے والا کوئی حکم خداوندی ہمارے لئے واجب الاطاعت ہے کیوں کہ رسول کا حکم بھی بالواسطہ خدا ہی کا حکم ہے۔

ایک بنیادی سوال

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ایک بنیادی سوال پر غور فرمایئے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا جو بار بار حکم دیا گیا ہے تو آیا یہ حکم رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف حیات ظاہری تک ہے یا قیامت تک کے لئے۔

اگر معاذ اللہ اس حکم الٰہی کو رسول کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو دوسرے لفظوں میں اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہو گا کہ قرآن واسلام پر

ا۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۳۳، آیت: ۲۱

عمل کرنے کا زمانہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی تک محدود ہے
اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کی اطاعت اور ان افعال کی
پیروی لازم ہی اس لئے تھی کہ بغیر اس کے قرآن و اسلام کی تفصیلات کو سمجھنا اور ان پر
عمل کرنا ممکن ہی نہ تھا لیکن جب قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت تک کے
لئے ہے، تو ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کا حکم بھی
قیامت تک کے لئے ہے۔

حدیث کے حجت ہونے پر ایک عظیم استدلال

جب یہ بات طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت
تک کے لئے ہے اور یہ بھی طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام کی تفصیلات کا علم اور ان پر عمل
درآمد بغیر اطاعت رسول کے ممکن نہیں ہے تو اس ضمن میں ایک دوسرا بنیادی سوال یہ
ہے کہ لغت و عرف اور شریعت و عقل کی رو سے اطاعت ہمیشہ احکام کی جاتی ہے پس
دریافت طلب امر یہ ہے کہ آج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام کہاں ہیں جن
کی اطاعت کا قرآن ہم سے مطالبہ کرتا ہے کیوں کہ احکام کے بغیر اطاعت کا مطالبہ
سرتاسر عقل و شریعت کے خلاف ہے۔ پس جب آج بھی قرآن ہم سے اطاعت
رسول کا طالب ہے تو لازماً آج ہمارے سامنے احکام رسول کا ہونا بھی ضروری ہے اور
ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے وہ احکام ہرگز نہیں مراد لئے
جاسکتے ہیں جو خدا کی طرف سے قرآن میں وارد ہوئے ہیں کیونکہ احکام خداوندی

ہونے کی حیثیت سے ان کا واجب الاطاعت ہونا ہمارے لئے بہت کافی ہے اس لئے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جن احکام کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ قرآن مجید میں واردشدہ احکام خداوندی کے علاوہ ہیں۔

اتنی تمہید کے بعد اب یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام وارشادات اور قرآن و اسلام کی تشریحات وتفصیلات کے مجموعہ کا نام مجموعہ احادیث ہے۔ یہیں سے حدیث کی دینی ضرورت اور اس کی اسلامی حیثیت اچھی طرح واضح ہوگئی۔ حدیث کی دینی اہمیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو یک لخت اطاعت رسول کا منکر ہو۔

نقل و روایت کی ضرورت پر استدلال

ملت اسلام کی جن مقدس ہستیوں کو رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال وافعال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے احکام وارشادات کو اپنے کانوں سے سننے کے قابل رشک مواقع حاصل تھے، انہیں امور سے باخبر ہونے کے لئے نقل و روایت کے واسطوں کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں آنے والے جن افراد کو براہ راست اس کا موقع حاصل نہیں تھا، انہیں اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے باخبر ہونے کا ذریعہ سوائے نقل وروایت کے اور کیا تھا؟

یہیں سے یہ سوال بھی حل ہوگیا کہ سرکار والا تبار کے اقوال وافعال اور کوائف واحوال سے آنے والی امت کو باخبر کرنے کے لئے سلسلۂ نقل وروایت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

پس اس امت کے جس افضل ترین طبقے نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذات خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور براہ راست اپنے کانوں سے سنا وہ ''طبقۂ صحابہ'' کے نام سے موسوم ہوا اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرام نے جن لوگوں تک رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق اپنے مشاہدات، مسموعات اور معلومات کا ذخیرہ پہنچایا وہ ''تابعین'' کہلائے۔ اور اس معزز طبقے نے صحابۂ کرام کے ذریعہ حاصل ہونے والے مشاہدات ومسموعات کا ذخیرہ جن لوگوں تک پہنچایا وہ تبع تابعین کے لقب سے ملقب ہوئے پھر اس طبقہ نے تابعین کرام کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے معلومات سے اپنے زمانے کے لوگوں کو باخبر کیا یہاں تک کہ سینہ بہ سینہ، سفینہ در سفینہ، نسل در نسل اور گروہ در گروہ نقل روایات کا یہ مقدس سلسلہ آگے بڑھتا رہا تا آنکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، احوال وکوائف اور ارشادات وتقریرات کا وہ مقدس ذخیرہ احادیث کی ضخیم ضخیم کتابوں میں محفوظ ہو کر ہم چودہ سو برس بعد میں پیدا ہونے والے افراد امت تک پہنچایا۔

پس رحمت ونور کی موسلا دھار بارش ہو راویان حدیث کے اس مقدس گروہ پر جس کے اخلاص وایثار، منت واحسان، محنت وجفاکشی، جاں نثاری وجگر سوزی، پیہم سفر، جنون انگیز مہم، لگاتار قربانی اور سعی مسلسل کے ذریعہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ ریز وعطر بیز زندگی کا ایک شفاف آئینہ ہمیں میسر آیا۔

اتنا شفاف کہ چشم عقیدت وا کرتے ہی اس عہد فرخندہ فال میں پہنچ جایئے جہاں قدم قدم پر شہپر جبریل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ آفتاب نیم روز کی بات کیا کہیے

کہ رات کو بھی جلووں کا سویرا ہے.... ہر طرف ملکوتیوں کا ڈیرا ہے..... آسمانوں کے پٹ کھلے اور بند ہوئے..... افلاکیوں کے نورانی قافلے اترے اور چلے گئے..... عرش سے فرش تک انوار و تجلیات کا تانتا بندھا ہوا ہے..... جلوؤں کی بارش سے طیبہ کی زمین اتنی نم ہوگئی ہے کہ نچوڑے تو کوثر کا دھارا پھوٹ پڑے..... کشور رسالت کے سلطان اعظم کبھی صحن مسجد میں ہیں..... کبھی حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں...... کبھی اپنے سرفروش دیوانوں کا قافلہ لئے ہوئے وادیوں، کہساروں اور ریگ زاروں سے گذر رہے ہیں...... اور کبھی گریہ و مناجات کے خلوت کدوں میں امت کی فیروز بختی کا مقدر سنوار رہے ہیں...... کبھی فرط غم سے آنکھیں نم ہوگئیں..... اور کبھی جاں نواز تبسم سے غنچے کھلا دیئے..... گلستانوں کی طرف نکل گئے تو خرام ناز کی نکہتوں سے راستے مہک اٹھے اور اب کاشانۂ رحمت میں جلوہ فگن ہیں تو ہر طرف طلعت زیبا کا اجالا ہے..... ابھی بزم عاشقان میں حقائق و معارف کے گوہر لٹا رہے ہیں اور اب دیکھئے تو معرکۂ کارزار میں جاں نثاروں کو عیش جاوداں کی بشارت دے رہے ہیں۔

غرض حدیث کی کتابوں کا جو ورق الٹئے نقوش وحروف کے آئینے میں سرکار والا تبار کی زندگی کا ایک ایک خدوخال نظر آتا ہے۔ جن نامرادوں کے قلوب عشق رسالت کی نعمت کبریٰ سے محروم کر دیئے گئے ہیں، وہ جلوۂ محبوب کے اس آئینہ جمال و کمال کو توڑ بھی دیں تو انہیں اس کا قلق ہی کیا؟ کہ پہلو میں محبت آشنا دل ہی نہیں ہے۔ لیکن ان دردمندان عشق اور وارفتگان آرزوئے شوق سے پوچھئے جو خاک طیبہ کو صرف اس جذبۂ محبت میں اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں کہ شاید پائے حبیب سے یہ مس ہوگئی ہو کہ احادیث کی کتابوں میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور تسکین قلب کے

کیا کیا سامان ہیں:

عاشق نہ شنیدی محنت الفت نہ کشیدی

کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

داستان شوق کا آغاز اور اس کا اہتمام

روایت حدیث کا یہ سارا سلسلہ جن حضرات پر منتہی ہوتا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقدس طبقہ ہے، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے وہی مشاہد حقیقی، ناقل اول اور شب و روز کے حاضر باش ہیں۔ اگر ان بزرگوں نے اپنی معلومات و مشاہدات کا ذخیرہ دوسروں تک نہ پہنچایا ہوتا تو روایت حدیث کے ایک عظیم فن کی بنیاد ہی کیوں پڑتی۔ بزم شوق کی اس داستان لذیذ سے چودہ سو برس کی دنیا تو کیا باخبر ہوتی کہ نرگس کی چشم محرم کو بھی جلوؤں کا سراغ نہ ملتا۔ معارف وتجلیات کا چشمۂ فیض جہاں پھوٹا تھا وہیں منجمد ہو کے رہ جاتا۔ آخر ایک قرن کی بات دوسرے قرن میں پہنچی کیسے، اگر سننے اور دیکھنے والوں نے پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا تھا؟ اس راہ میں صحابہ کرم کے جذبۂ اشتیاق کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اس کام کو دین کا بنیادی کام سمجھتے تھے۔ جیسا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب تک اس خاکدان گیتی کو سرکار پر انوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود ظاہری کی برکتوں کا شرف حاصل رہا، پروانوں کے دستے ہر وقت دربار گہربار میں سراپا اشتیاق اور گوش برآواز رہا کرتے کہ کب وہ لب ہائے جاں نواز کھلیں اور ارشادات طیبات کے گل ہائے نور سے دل کی انجمن کو معطر

کریں اور اتنا ہی نہیں بلکہ حاضر باش رہنے والوں سے اس کا بھی عہد و پیمان لیا جاتا کہ وہ غیر حاضر رہنے والوں تک دربار نبوت کی ساری سرگزشت پہنچا دیا کریں۔

جیسا کہ حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری[1] رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ، حضرت براء بن عازب[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سلسلے میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ صحابی موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ ما كل الحديث سمعناه من رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كنا مستغلين فى رعاية الإبل و أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانوا يطلبون ما يفوتهم سماعه من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيسمعونه من أقرانه و ممن هو أحفظ منهم ﴾ [3]

ترجمہ: ہم لوگوں کو تمام احادیث کی سماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۔ حضرت محمد بن عبداللہ ایک ممتاز محدث ہیں۔ ۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ تقریباً دو ہزار شیوخ سے احادیث سماعت کی۔ کچھ عرصہ قاضی رہے اسی لیے حاکم کہلائے۔ تقریباً ایک ہزار کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔ وفات ۱۰۱۴ء میں ہوئی۔ دیکھئے!

تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، ج:۵، ص:۴۷۳، ت: ۱۹۳۱ء، ط:غ، قاہرہ

۲۔ حضرت براء بن عازب الانصاری، کنیت ابو امارہ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ بدر و احد کے علاوہ سب میں شریک ہوئے۔ ۳۰۵ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ آپ کا شمار فقیہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ دیکھئے! اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۴، ص:۲۵۴، ت: ۱۹۷۳ء، ط:۱، دانشگاہ پنجاب لاہور

۳۔ معرفۃ علوم الحدیث: محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، ص:۵۳، ت: ۱۹۹۷ء، ط:غ، مطبعۃ دار احیاء العلوم بیروت

سے نہیں ہو پاتی تھی۔ ہم اونٹوں کی دیکھ بھال میں بھی مشغول رہتے تھے اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس حدیث کی سماعت فوت ہو جاتی تھے اس کو اپنے ہم عصروں اور زیادہ یاد رکھنے والوں سے سن لیا کرتے تھے۔

عہد صحابہ میں راویان حدیث کے مواقع

دین کو اپنی تفصیلات وتشریحات کے ساتھ اہل اسلام تک پہنچانے کے لئے صحابہ کرام کے درمیان احادیث کی نقل وروایت کا شب وروز یہ معمول تو تھا ہی، اس کے علاوہ بھی بہت سے مواقع اس طرح کے پیش آتے تھے جب کہ کسی خاص مسئلے میں قرآن کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا تو مجمع صحابہ سے دریافت کیا جاتا کہ اس مسئلہ کے متعلق سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث کسی کو معلوم ہو تو بیان کرے۔

چنانچہ یہی حافظ نیشاپوری حضرت قبیصہ ابن ذویب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

﴿ قال جاء ت الجدة فی عهد أبی بکررضی الله تعالیٰ عنه تلتمس أن تورث ،فقال : أبو بکرما أجدلک فی کتاب الله شیئا حتی أسأل الناس العیشة، فلما صلی الظهرقام

ا۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے۔ ابتداء میں مدینہ میں قیام کیا پھر شام چلے گئے۔ آپ ثقہ راوی اور فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ دیکھئے!
اسد الغابہ: الشیخ ابوالحسن شیبانی، ج:۴، ص:۳۶۳، ط:۱، ت:۱۹۹۶ء، دارالکتب العلمیہ

فی الناس یسألهم ،فقال المغیره بن شعبة سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یعطیهاالسدس ﴾ [1]

ترجمہ: انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دادی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ چاہتی تھی کہ اسے پوتے کی میراث میں سے کچھ حصہ دیا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید میں تیرا کوئی حصہ میں نہیں پاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیرے بارے میں کچھ فرمایا ہے۔ جب اس نے اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا ٹھہر میں شام کو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کروں گا۔ جب ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے پوچھا اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔

واقعہ کی تحقیق کا عظیم نکتہ

بات اتنے ہی پر نہیں ختم ہوگئی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت مغیرۃ ابن شعبہ [2]

ا۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۵۳

۲۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ۵ رہجری میں مشرف باسلام ہوئے۔ کئی جنگوں میں شرکت کی۔ بصرے کے والی بنائے گئے۔ حضرت امیر معاویہ نے کوفہ کا گورنر بنایا۔ دیکھئے! اعلام: زرکلی، ج: ۷، ص: ۲۷۷، ت: ۱۹۸٦، بیروت لبنان

حدیث بیان کر کے جب بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکر صدیق[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے۔ اب باقی حصہ واقعہ کے راوی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

﴿ قال أبو بكر رضى الله تعالىٰ عنه أسمع ذلك معك أحد؟ فقام محمدبن مسلمة فقال :سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعطيها السدس ﴾ [2]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی سنی ہے؟ اس سوال پر حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بیان کیا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔

اللہ اکبر! جانتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال "یہ بات تمہارے ساتھ اور نے بھی سنی ہے؟" کن سے ہے؟ یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا شمار اجلۂ صحابہ میں ہے اور جن کی دیانت وتقویٰ اور امانت و راستی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث

ا۔ آپ کا نام عبداللہ تھا۔ صدیق اور عتیق مشہور القاب ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے اور سب سے پہلے اسلام بھی قبول کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہجرت کی۔ تقریباً تمام جنگوں میں شرکت کی۔ آپ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ ہی کے زمانے میں قرآن پہلی بار جمع کیا گیا۔ مدت خلافت دو سال تین ماہ اور دس دن رہی۔ دیکھئے!

البدایہ والنھایہ: ابن کثیر، ج:۶، ص:۲۹۶، ت: ۱۹۹۸ء، مط: قاہرہ

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص:۵۳

رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین کے لئے حجت اور وجوب احکام میں موثر نہیں تو حدیث کی توثیق وتصدیق کے لئے اتنا اہتمام کیوں کیا جاتا اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بیان کرنے والے ایک سے دو ہو جائیں تو بات کا ثبوت نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

کسی واقعہ کی خبر ایک ہی آدمی کی زبانی سنی جائے اور وہی خبر متعدد آدمیوں کے ذریعہ موصول ہو تو دونوں میں یقین واعتماد کی کیفیت کا جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف کے متعلق اپنے علم ویقین اور نقل وروایت کے اعتماد کو نقطۂ کمال پر پہنچانے کے لئے صحابۂ کرام کے یہاں اس طرح کا اہتمام ہمیں قدم قدم پر ملتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک نہایت رقت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث انہوں نے سنی تھی اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں

۱۔ آپ کا نام خالد بن زید تھا۔ جنگ عقبہ اور بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔ آپ ہی کے دولتکدے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا۔ حضرت علی نے کوفہ روانہ ہونے سے قبل مدینہ میں آپ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی اور انتقال فرمایا۔ دیکھئے! اصابہ: حافظ ابن حجر عسقلانی، ج:۲، ص:۱۹۹، ط:۱، ت: ۱۹۹۵ء، دارالکتب العلمیہ
اسد الغابہ، رقم: ۱۴۷۵

مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر [1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔حضور پاک کے وصال شریف کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مصر و شام اور روم و ایران پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے لگا تو بہت سے صحابہ حجاز مقدس سے مفتوحہ ممالک میں منتقل ہو گئے۔انہیں لوگوں میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مصر گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شدہ شدہ کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ جو حدیث میں نے حضور پاک سے سنی ہے،اس کے سننے والوں میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی ہیں،تو صرف اس بات پر جذبۂ اشتیاق کشاں کشاں انہیں مدینے سے مصر لے گیا کہ ان سے اس بات کی توثیق کر کے وہ یہ کہہ سکیں کہ اس حدیث کے دو راوی ہیں ایک میں ہوں دوسرے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے اس والہانہ سفر کا حال بھی بڑا ہی رقت انگیز اور روح پرور ہے۔ فرماتے ہیں کہ جذبۂ شوق کی ترنگ میں کہساروں،وادیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے وہ مصر پہنچے۔کبر سنی کا عالم،دشوار گذار سفر لیکن وارفتگی شوق کی بےخودی میں نہ بڑھاپے کا اضمحلال محسوس ہوا،نہ راستے کی دشواریاں حائل ہوئیں۔شب و روز چلتے رہے،مہینوں کی مسافت طے کر کے جب مصر پہنچے تو سیدھے مصر کے گورنر

ا۔ حضرت عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔بہت سارے محدثین نے آپ سے روایت کی ہیں۔آپ علم قرآن و حدیث،فقہ و فرائض اور فن شاعری میں کمال رکھتے تھے۔کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔مصر کے امیر بھی مقرر کئے گئے۔خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۵۸ ہجری کو وصال ہوا۔ دیکھئے!

اصابہ، ج:۴، ص: ۴۲۹

حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری[1] رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پر نزول اجلال فرمایا۔ امیر مصر نے مراسم ملاقات کے بعد دریافت کیا۔

ما جاء بک یا أبا أیوب؟ کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابو ایوب؟
جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿ حدیث سمعته من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ،لم یبق أحد سمعه من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم غیری و غیرعقبة بن عامر فابعث من یدلنی علی منزله ﴾ ۲

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور عقبہ بن عامر کے سوا اب کوئی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پس میرے ساتھ ایک ایسا آدمی لگا دو جو مجھے ان کے گھر تک پہنچا دے۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ تم سے ملنا مقصود تھا بلکہ صرف اس لئے آیا ہوں کہ تم حضرت عقبہ بن عامر کے گھر تک میرے

ا۔ حضرت مسلمہ بن مخلد الصامت کی پیدائش ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی۔ فتح مصر کے بعد مصر ہی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو مصر کا والی بنایا۔ تقریباً ۱۶ سال مصر اور افریقہ پر والی رہے۔ مصر یا مدینہ میں وصال فرمایا۔ دیکھئے!

استیعاب: حافظ عبد البر، ج:۳، ص:۴۵۴، ط:غ، ت:۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص:۴۳

پہنچا دینے کا انتظام کر دو۔

ایک گدائے عشق کی ذرا شان استغناء ملاحظہ فرمائیے کہ گورنر کے دروازے پر گئے ہیں لیکن ایک لفظ بھی اس کے حق میں نہیں فرماتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ والی مصر نے ایک جانکار آدمی ساتھ کر دیا جو انہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے دولت کدے تک لے گیا۔ معانقہ کے بعد انہوں نے بھی پہلا سوال یہی کیا۔

ما جاء بک یا أباأیوب؟ کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابوایوب؟

جواب میں فرمایا۔

﴿ حدیث سمعته من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لم یبق أحد سمعه من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم غیری و غیرک فی ستر المومن، قال عقبة نعم سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: من ستر مومنا علی خزیة ،ستر اللّٰہ یوم القیامة فقال أبو أیوب: صدقت ﴾ [1]

ترجمہ: ایک حدیث میں نے رسول پاک صلی تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اس کا سننے والا میرے اور آپ کے سوا اب کوئی دنیا میں موجود نہیں ہے اور وہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ حضرت عقبہ نے جواب دیا کہ ہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے یہ

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۴

حدیث سنی ہے کہ جو کسی رسوائی کی بات پر مومن کی پردہ پوشی کرتا ہے کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت ابو ایوب نے فرمایا آپ نے سچ کہا یہی میں نے بھی سنا ہے۔

اس کے بعد بیان کرتے ہیں:

ثم انصرف أبو أیوب إلی راحلته فرکبها راجعا إلی المدینة. ۱

اتنا سن کر حضرت ابوایوب اپنی سواری کے پاس آئے۔ سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

گویا مصر کے دور دراز سفر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ اپنے کان سے سنی ہوئی بات دوسرے کی زبان سے بھی سن لیں۔ حدیث دوست کی لذت شناسی کا یہی وہ جذبۂ شوق تھا، جس نے مذہب اسلام کو مذہب عشق بنا دیا۔ حضرت امام حافظ نیشاپوری نے واقعہ کے خاتمہ پر رقت وگداز میں ڈوبا ہوا اپنا یہ تاثر سپرد قلم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

﴿ فهذا أبو أیوب الأنصاری علی تقدم صحبته و کثرة سماعه من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رحل إلی صحابی من أقرانه فی حدیث واحد ﴾ ۲

ترجمہ: یہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابیت میں اقدم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کثیر الروایۃ ہونے کے باوجود صرف ایک حدیث کے لئے اپنے معاصر سے ملنے گئے اور دور دراز کا سفر کیا۔

۱، ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۴

ایک اور دیوانۂ شوق

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبد اللہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں امام نیشاپوری نے نقل کیا ہے:

بات یہاں سے چلی ہے کہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث حضرت عمرو بن ابی سلمہ، امام الحدیث حضرت امام اوزاعی[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں چار سال رہے اور اتنے طویل عرصے میں انہوں نے صرف تیس حدیثیں ان سے سماعت فرمائیں۔ ایک دن وہ حضرت امام اوزاعی سے بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگے۔

﴿ أنا ألزمک منذ أربعة سنوات ولم أسمع منک إلا ثلاثين حديثا. ﴾ [3]

ترجمہ: آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے مجھے چار سال ہوگئے لیکن اس طویل عرصے میں صرف تیس حدیثیں میں آپ سے حاصل کر سکا۔

۱۔ آپ کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ۱۹ غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں کو حضور کی معیت میسر آئی۔ مسجد نبوی میں حلقہ درس قائم کیا۔ بخاری و مسلم وغیرہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ ۷۸ ہجری میں وصال فرمایا۔

دیکھئے! الاعلام، ج:۷، ص:۹۷

۲۔ ابو عمرو عبد الرحمٰن الاوزاعی دمشق میں ۸۰ھ پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم کا آغاز امامہ سے کیا۔ وہیں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ وہاں سے بیروت چلے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ فقہ اسلامی کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ دیکھئے

تاریخ دمشق: ابن عساکر، ج:۲، ص:۱۴۴، ت:۱۹۵۴ء، بیروت

۳۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص:۴۵

امام اوزاعی نے جواب میں ارشاد فرمایا:

﴿ و تستقل ثلاثين حديثا في أربعة سنوات و لقد سار جابر بن عبد الله إلى مصرو اشترى راحلة فركبها حتى سأل عقبة بن عامر عن حديث واحد و انصرف إلى المدينة ﴾ ا

ترجمہ: چار سال کی مدت میں تیس حدیثوں کا ذخیرہ تم کم سمجھ رہے ہو حالانکہ حضرت جابر بن عبداللہ نے صرف ایک حدیث کے لئے مصر کا سفر کیا۔ سواری خریدی اور اس پر سوار ہو کر مصر گئے اور حضرت عقبہ بن عامر سے ملاقات کر کے مدینہ واپس لوٹ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ چار سال کی مدت میں تیس احادیث کی سماعت کو بھی غنیمت جانو کہ ایک عظیم نعمت تمہیں کم سے کم مدت میں حاصل ہوگئی ورنہ عہد صحابہ میں تو صرف ایک حدیث کے لئے لوگ دور دراز ملکوں کا سفر کرتے تھے۔ پس ایک حدیث پر دو مہینے کی مدت بھی اگر صرف ہوتی تو آپ حساب لگا لو کہ تیس حدیث کے لئے کتنی مدت چاہئے تھی۔

بلکہ حافظ نیشاپوری کی تصریح کے مطابق عہد صحابہ میں طلب حدیث کے لئے سفر اتنا لازم تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے:

﴿ لطالب العلم يتخذ نعلين من حديد ﴾ ۲

ترجمہ: طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے لئے لوہے کے جوتے تیار کرائے

۱، ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۵

تا کہ بغیر کسی زیر باری کے ساری عمر وہ طلب حدیث کیلئے سفر کرتا رہے۔

سلسلۂ روایت کی تقویت کے اسباب

عہد صحابہ میں سلسلۂ روایت کی تقویت کے لئے جہاں راویوں کی کثرت تعداد کو اہمیت دی جاتی تھی، وہاں نقل و روایت کی صحت جانچنے اور اسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے اور بھی طریقے رائج تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔

﴿ إذا فاته عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حديث ثم سمعه من غير، يحلف المحدث الذى يحدث به ﴾ ۲

ترجمہ: جب ان کو کسی حدیث کی سماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فوت ہو جاتی تو دوسرے راوی سے حدیث کی سماعت فرماتے اور اس سے قسم لیا کرتے تھے۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جوانوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ آغوش نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش پائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ زواج میں منسلک ہوئے۔ آپ بڑے بہادر اور فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ آپ سے ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ منتخب کئے گئے۔ ۴۰ ھجری میں شہید ہوئے۔ آپ کے خطابات، اقوال اور خطوط کا مجموعہ ''نہج البلاغہ'' کے نام سے مشہور ہے۔
دیکھئے! الاصابہ، ج:۲، ص:۵۰۷

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص:۴۵

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت حافظ نیشاپوری تحریر فرماتے ہیں:

﴿ و كذلك جماعة من الصحابة والتابعين و أتباع التابعين ثم من أئمة المسلمين كانوا يبحثون و ينقرون عن الحديث إلى أن يصح لهم ﴾ [1]

ترجمہ: یہی حال صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مسلمین کا تھا کہ وہ حدیث کے بارے میں بحث و کرید کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا۔

روایت حدیث کا فن اپنی جس عظیم خصوصیت کے باعث سارے جہاں میں منفرد ہے، وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے نقل و روایت کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ نفس واقعہ بیان کر دیا جائے بلکہ بیان واقعہ سے پہلے ناقل کے لئے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کا علم اسے کیوں کر ہوا......کتنے واسطوں سے وہ بات اس تک پہنچی ہے......اور وہ کون لوگ ہیں......ان کے نام ونشان کیا ہیں.....ان کی عمر کیا ہے......وہ کہاں کے رہنے والے ہیں.....دیانت وتقویٰ، راست گفتاری، حسن اعتقاد، قوت حفظ، عقل و فہم اور فکر و بصیرت کے اعتبار سے ان کے حالات کیا ہیں........اسی کو اصطلاح حدیث میں ''اسناد'' کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اصحاب حدیث کے یہاں اسناد اتنی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر ان کے یہاں کوئی بات قابل اعتماد نہیں ہوتی۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۵

یہاں تک حضرت حافظ نیشاپوری نے حضرت عبداللہ بن مبارک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

الإسناد من الدين و لو لا الإسناد لقال من شاء ماشاء۔ [2]

اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہتا۔

اسی ضمن میں حضرت حافظ نیشاپوری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابوفروہ نامی کسی شخص نے حضرت امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغیر کسی اسناد کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی۔ اس پر امام زہری[3] رضی اللہ عنہ نے آزردہ ہو کر فرمایا:

﴿ قاتلك الله يا ابن أبي فروة ماأجراك على الله أن لا تسند حديثك. تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم و لا أزمة. ﴾ [4]

۱۔ آپ کی ولادت ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ آپ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے درس میں شامل ہوئے اور فقہ میں عبور حاصل کیا پھر علم حدیث میں کمال حاصل کیا۔ شاعر اور ادیب بھی تھے۔ آپ سے کسب فیض کرنے والوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ دیکھئے!

جامع الاحادیث: مولانا حنیف خان، ج:۱، ص:۲۷۹، ت: ۲۰۰۱ء، رضا اکیڈمی

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۱

۳۔ آپ کا نام محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشہور فقیہ اور محدث تھے۔ مکہ کے مشہور قبیلہ زہرہ سے تعلق تھا۔ آپ نے حدیث کی بڑی خدمت کی۔ دیکھئے!

طبقات: ابن سعد، ج:۲، ص:۱۳۳، ت: ۱۹۰۴ء، مط: لیڈن

۴۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۲

ترجمہ: اے ابوفروہ! تجھ کو اللہ تباہ کرے تجھ کو کس چیز نے اللہ پر جری کر دیا ہے کہ تیری حدیث کی کوئی سند نہیں ہے تو ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ جن کے لئے نہ نکیل ہیں نہ لگام۔

اصول نقد حدیث

اس سلسلے میں حاکم الحدیث حضرت امام نیشاپوری نے احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لئے جو ضابطہ نقل فرمایا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ احادیث کو اغلاط کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے کیسی کیسی منصوبہ بند تدبیریں عمل میں لائی گئی ہیں۔ فرماتے ہیں:

﴿ و ما یحتاج طالب الحدیث فی زماننا هذا أن یبحث عن احوال المحدث أو أهل یعتقد الشریعة فی التوحید و هل یلزم نفسہ طاعة الأنبیاء و الرسل صلی اللّٰه علیهم، ثم یتأمل حاله ،هل صاحب هویٰ یدعو الناس إلی هواه، فان الداعی إلی البدعة لایکتبه عنه ،ثم یعترف سنه هل یحتمل سماعه من شیوخه الذین یحدث عنهم ثم یتأمل أصوله. ﴾ ا

ترجمہ: ہمارے زمانے میں ایک طالب حدیث کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ محدث کے حالات کی تفتیش کرے کہ آیا وہ توحید کے بارے میں

ا۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۵۴

شریعت کا معتقد ہے؟ اور کیا انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے؟ پھر اس کی حالت پر غور کرے کہ وہ بدمذہب تو نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی بدمذہبی کی طرف دعوت دے رہا ہے کیونکہ بدعت کی طرف بلانے والے سے کوئی حدیث نہیں لی جائے گی۔ پھر اس محدث کی عمر معلوم کرے کہ اس کی سماع ان مشائخ سے ممکن ہے کہ جن سے وہ حدیث بیان کرر ہا ہے، پھر اس کے اصول پر غور کرے۔

تاریخ تدوین حدیث

فن حدیث کے محاسن وفضائل اور اس کے متعلقات اور موجبات پر قلم اٹھانے سے پہلے یہ بتادینا نہایت ضروری ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک حدیثوں کی تدوین اور جمع وترتیب کا کام کیوں کر عمل میں آیا............؟

اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد پرنور جونزول قرآن کا زمانہ ہے، اس عہد پاک میں چونکہ آیات قرآنی کے تحفظ کا کام سب سے اہم تھا، اس لئے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تاکید فرمائی کہ وہ صرف آیات قرآنی کو قلمبند کیا کریں، احادیث کو قید تحریر میں نہ لائیں تاکہ آیات قرآنی کے ساتھ کسی طرح کا التباس نہ ہو۔ البتہ اس امر کی اجازت تھی کہ زبانی طور پر احادیث کی روایت ونقل میں کوئی مضائقہ

نہیں ہے، جیسا کہ حضرت امام مسلم[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوسعید خدری[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عن أنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لاتکتبوا عنی و من کتب غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی و لاحرج و من کذب علی معتمدا فلیتبوأ مقعده من النار. ﴾ [3]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ کوئی شخص میری حدیث نہ لکھے اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹادے اور میری حدیثیں زبانی بیان کرے، کوئی حرج نہیں اور جس نے میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے۔

۱۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری کی پیدائش ۲۰۲ ھجری میں ہوئی۔ حدیث کی سماعت کے لیے دور دراز کا سفر کیا۔ آپ نے درس بھی دیا۔ حدیث صحیح وسقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانے کے علماء میں ممتاز تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۰ سے زائد ہیں، لیکن صحیح مسلم زیادہ مشہور ہے۔ ۲۴/رجب ۲۶۱ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ دیکھئے!

اعلام، ج:۷، ص: ۲۲۲

۲۔ سعد بن مالک بن سنان خدری، انصاری، خزرجی ابوسعید، کثیر الروایہ صحابی اور مجلس نبوی کے حاضر باش تھے۔ ان سے ۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔ ۱۲ غزوات میں شرکت فرمائی اور مدینہ میں وفات پائی۔ دیکھئے! اعلام، ج:۳، ص: ۸۷

۳۔ مسلم: امام مسلم، ج:۲، ص: ۳۹۳، ت: غ، ن: غ، ط: غ، م ط: بولاق مصر

لیکن اسی کے ساتھ بعض وہ صحابہ جنہیں اپنے اوپر اعتماد تھا کہ وہ قرآنی آیات کے ساتھ احادیث کو مخلوط نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اپنے طور پر حدیثوں کو بھی قلمبند کرلیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت امام بخاری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ[2] رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

﴿ عن ابی هريرة قال ما من أحد من أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أكثر حديثا عنه منی إلا ما كان من عبد اللهبن عمرو فانه كان يكتب و أنا لا أكتب. ﴾ [3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صحابہ میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا مگر عبداللہ بن عمرو، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

۱۔ امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ ھجری میں ہوئی۔ آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ بچپن ہی سے احادیث حفظ کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے احادیث کے سننے کے لیے دور دراز کا سفر کیا۔ اس طرح انہوں نے تقریباً چھ لاکھ احادیث یاد کیں، جن سے انتخاب کر کے بخاری لکھی۔ دیکھئے! تذکرہ: ابوالکلام آزاد، ص: ۳۸۴، ت: ۱۹۹۰، ط: غ، مط: غ، ساہتیہ اکاڈمی

۲۔ عمیر بن عامر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۲۰ ھجری میں ہوئی۔ قبول اسلام کے بعد آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور آپ ہی کے داد و دہش پر آپ کا گزر ہوتا تھا۔ آپ کا شمار اہل صفہ میں ہوتا تھا۔ آپ تقریباً ۵۳۷۶ احادیث کے راوی ہیں۔ آپ کا وصال ۵۸ ہجری میں ہوا۔ دیکھئے!
تذکرۂ حفاظ: امام شمس الدین ذھبی، ج: ۱، ص: ۳۱ مط: غ، ت: غ، اسلامک پبلشنگ

۳۔ بخاری: امام بخاری، ج: ۱، ص: ۱۴۳، ت: غ، مط: کلاسیکل، ن: فرید بکڈپو دہلی

جب کاغذ کے ٹکڑوں، ہرن کی جھلیوں، کھجور کے پتوں اور الواح قلوب میں بکھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں عہد فاروقی سے لے کر عہد عثمان تک کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کردی گئیں اور ساری دنیا میں اس کے نسخے پھیلا دیئے گئے اور احادیث کے ساتھ آیات قرآنی کے التباس و اختلاط کا کوئی اندیشہ نہیں رہ گیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایماء پر احادیث کی تدوین اور تصنیف و کتابت کا کام باضابطہ شروع ہوا۔

جیسا کہ حضرت امام سیوطی[2] علیہ الرحمہ کی الفیہ کی شرح میں مقدمہ نویس نے لکھا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ فلما أفيضت الخلافة إلى عمر بن عبد العزيز رضى الله تعالىٰ عنه فى عام ۹۹ تسع و تسعين من الهجرة كتب إلى أبى بكر بن حزم و هو شيخ معمرو الليث و الأوزاعى و مالك و ابن إسحق و ابن أبى ذئب وهو نائب عمر بن عبد العزيز فى القضاء على المدينة يقول له أنظر ماكان

ا۔ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ٦١ ھجری میں پیدا ہوئے۔ آپ حجاز کے عامل مقرر ہوئے۔ سلیمان بن عبد الملک کے انتقال کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت دینداری اور عدل و انصاف کے ساتھ فرائض ادا کیے۔ رجب ۱۰۱ ھجری کو انتقال کیا۔

دیکھئے! دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۱۴/ ۲، ص: ۲۳۲

۲۔ امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ ۸۵۹ ھجری میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کو بیشتر علوم میں تبحر حاصل تھا۔ تقریباً ٦ سو کتابیں یادگار چھوڑیں ہیں۔

دیکھئے! اعلام، ج: ۳، ص: ۳۰۱

من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فاکتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء. ﴾ ١

ترجمہ: ۹۹ھ میں جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو آپ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا جو معمر، لیث، اوزاعی، مالک، ابن اسحاق اور ابن ابوذئب کے شیخ تھے اور مدینہ منورہ میں محکمہ قضا میں خلیفہ کے نائب تھے، ان سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ جو حدیث بھی حضور کی ملے اسے لکھ لو اس لئے کہ مجھ کو علم کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق یہاں تک نقل کیا گیا ہے۔ أ

إنه کتب إلی اهل الأفاق أنظروا إلی حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فأجمعوه. ٢

انہوں نے اطراف و جوانب میں لکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پاؤ تو اسے جمع کرلو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کی تحریک پر فن حدیث میں سب سے پہلی کتاب حضرت ابن حزم [٣] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد

١۔ مقدمہ شرح الفیہ للسیوطی، ص: ج، مط: مطبعۃ مصطفیٰ محمد، ت: غ، ن: غ

٢۔ تاریخ اصفہان: الشیخ ابی نعیم، ج: ۱، ص: ۲۶، انٹرنیٹ ایڈیشن

٣۔ آپ قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم پائی۔ کچھ دنوں کے لیے وزیر بھی بنے۔ آپ کی تصانیف تقریباً ۴ سو ہیں۔ دیکھئے! دائرہ معارف اسلامیہ، ج: ۱، ص: ۴۸۵

حدیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور جمع و ترتیب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا، مختلف شہروں میں مختلف بزرگوں نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

صاحب شرح الفیہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ بقید مقام ان بزرگوں کے نام لکھے ہیں:

﴿ منهم ابن جريح بمكة و ابن إسحاق و مالك بالمدينة و الربيع بن صبيح و سعيدبن عروه و حماد بن‌سلمة بالبصرة و سفيان الثورى بالكوفة و الأوزاعى بالشام و هشام بواسط و معمو باليمن وجريربن عبد الله بالرى و ابن المباك بخراسان ﴾ ۱

ترجمہ: ان میں ابن جریح مکہ میں، ابن اسحاق اور مالک مدینہ میں، ربیع بن صبیح، سعید بن عروہ اور حماد بن سلمہ بصرہ میں، سفیان ثوری کوفہ میں، اورزاعی شام میں، جریر بن عبداللہ رے میں اور ابن المبارک خراسان میں

اس کے بعد لکھتے ہیں:

كلهم فى عصر واحد و من طبقة واحدة اكثرهم من تلامذة أبى بكر بن حزم و ابن شهاب الزهرى.۲

یہ سب کے سب ایک ہی زمانہ میں ایک ہی طبقہ کے تھے اور ان میں کے اکثر حضرت ابوبکر بن حزم اور ابن شہاب زہری کے شاگرد تھے۔

۱۔ مقدمہ شرح الفیہ للسیوطی، ص: د

۲۔ ن م

اس کے بعد تصنیف وتالیف اور مختلف حلقہائے درس کے ذریعہ احادیث کے نشر واشات کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا، روایتوں کے قبول ورد کے اصول، راویوں کے اوصاف وشرائط اور اس فن کے آداب ولوازم پر ضوابط ودساتیر کی تشکیل عمل میں آئی اور اصول حدیث کے نام سے علم وفکر کی دنیا میں ایک نئے فن کا آغاز ہوا۔

اصول وشرائط کے سخت سے سخت معیار پر احادیث کی نئی نئی کتابیں لکھیں گئیں یہاں تک کہ آج اس فن کی جملہ تصنیفات میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی بہت مشہور اور متداول بین الناس ہیں۔

سطور بالا میں حدیث کی دینی ضرورت، اس کی علمی اور فنی ثقاہت اور اس کی تاریخی عظمت وانفرادیت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ جن پاک طینت مسلمانوں کو اسلام وقرآن عزیز سے اور جو اپنے آپ کو اسی امت مسلمہ کا ایک فرد سمجھتے ہیں جو چودہ سو برس سے اپنی متوارث روایات اور مربوط دینی وفکری تہذیب کے ساتھ زندہ وتابندہ ہے تو انہیں حدیث پر اعتماد کرنے کے لئے کسی دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

البتہ جو لوگ کہ از راہ نفاق حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اپنی شقاوت کو چھپانے کے لئے قرآن کا نام لیتے ہیں، اگر مجھے وقت کی تنگی کا عذر نہ پیش آجاتا تو میں قابل وثوق شہادتوں کے ساتھ آفتاب نیم روز کی طرح یہ ثابت کر دکھاتا کہ ان کے ہاں حدیث کا انکار قرآن کی پیروی کے جذبے میں نہیں بلکہ قرآن کی پیروی سے بچنے کے لئے ہے۔

حدیث کے انکار سے ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ کلام خداوندی کے مفہوم کا

یقین ان کی ذاتی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تاکہ آیات الٰہی کا مفہوم مسخ کر کے بھی وہ قرآن کی پیروی کا دعویٰ کر سکیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ منکرین حدیث کے فتنے سے اہل ایمان کو محفوظ رکھے اور انہیں توفیق دے کہ وہ حدیث کی روشنی پھیلا کر عالم کا اندھیرا دور کریں۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد و اٰله و صحبه و حزبه أجمعین۔

ارشد القادری

مہتمم مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور (بہار)

۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

فقہ حنفی

کی

شرعی حیثیت

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ

فَقَدْ أُوتِيَ

خَيْرًا كَثِيرًا

(القرآن الكريم ، سورة البقره ، آيت: ٢٦٩)

جو احکام شرعیہ کا عالم ہوا اسے بہت بھلائی ملی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لوليه. والصلاة على نبيه. و على اله و صحبه و حزبه أجمعين

عزیز گرامی حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی دامت برکاتہم کو خداوند کریم نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ وہ بلند پایہ اور راسخ العلم مدرس بھی ہیں، حاضر دماغ اور بالغ نظر مفتی بھی، خوش بیان اور نکتہ رس خطیب بھی ہیں اور فکر انگیز وحقائق نگار مصنف بھی اور ان ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ متواضع، شریف النفس اور عالم باعمل بھی۔ ان کے بیشمار تلامذہ ان کے علم وفضل، ان کے دینی تصلب اور ان کی تقویٰ شعار زندگی کا آئینہ ہیں۔

موصوف کی تصنیفات عوام وخواص دونوں طبقے میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ انوار الحدیث ان کی ایسی گراں قدر تصنیف ہے

جو دینی زندگی کے ایک دستور العمل کی حیثیت سے ہندو پاک میں مقبول عام ہے۔ اس کتاب پر موصوف کے اصرار سے میں نے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، جو کتاب کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی کہ علمی دنیا میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ فا لحمد للہ علی ذلک.

الغاز الفقه (فقہی پہلیاں) کے نام سے موصوف نے ایک تازہ کتاب مرتب فرمائی ہے۔ یہ کتاب ایسے فقہی مسائل پر مشتمل ہے، جنہیں پڑھنے کے بعد آدمی اچنبھے میں پڑ جاتا ہے اور مسئلے کی تفصیل نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تھوڑی دیر تک ذہنی کش مکش میں مبتلا رہتا ہے۔ کتاب سوال و جواب کے انداز میں مرتب کی گئی ہے۔ سوال پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک فقہی معمہ ہے۔ لیکن جواب پڑھتے ہی اچانک دماغ میں روشنی کی ایک کرن پھوٹتی ہے اور قاری حیران رہ جاتا ہے کہ مسئلے کی یہ تفصیل میری نگاہ سے کہاں اوجھل رہ گئی تھی۔ ذیل میں سوال و جواب کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

سوال:- وہ کون روزہ دار ہے کہ کھانے پینے کے باوجود اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا؟

جواب:- جو روزہ دار کہ بھول کر کھائے پیئے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

درمختار مع شامی، جلد دوم، صفحہ ۹۷ میں ہے: اذا اکل الصائم او شرب او جامع حال کونه ناسیا فی الفرضْ و النفل قبل النیة او بعدھا، علی الصحیح لم یفطر. ملخصاً

دراصل موصوف نے یہ کتاب علم فقہ کے طلبہ کی ذہنی تمرین کے لئے تحریر فرمائی ہے تاکہ ان کے اندر فقہی تجسس اور علمی تلاش کا جذبہ پیدا ہو۔ لیکن اپنی افادیت

کے لحاظ سے یہ کتاب عوام وخواص کے لئے یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ فقہی نوادر پر یہ کتاب اپنے قاری کو بھرپور معلومات فراہم کرتی ہے۔ کتاب کے انداز ترتیب کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ فقہی مسائل یادداشت کی گرفت میں آ جاتے ہیں کیونکہ سوال پڑھنے کے بعد ذہن میں صحیح جواب کے لئے جستجو کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز طلب کے بعد حاصل ہوتی ہے، ذہن اسے محفوظ رکھتا ہے اور جو چیز سرسری طور پر نظر سے گذرتی ہے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہوتی۔

مولانا موصوف نے از راہ اخلاص و مودت اس کتاب پر بھی ایک مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ اسی کام کے لئے کئی بار جمشید پور اور دہلی کا بھی انہوں نے سفر کیا تا کہ مجھ سے ملاقات کر کے وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کر سکیں۔

ملک و بیرون ملک بہت سارے اداروں کی نگرانی اور ہندوستان کے طول و عرض میں اہل سنت کے جماعتی مسائل کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اب دہلی میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے نام سے ایک دینی مرکز کے قیام کی جدوجہد میں میری مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ لیکن ان ساری معذوریوں کے باوجود مجھے بہر حال حضرت مولانا موصوف سلمہ کی خواہش کی تکمیل کرنی ہے کہ وہ میرے قابل افتخار تلامذہ میں ہیں۔

یہ کتاب چونکہ فقہ کے موضع پر ہے، اس لئے فقہ کی تعریف، فقہ کی ضرورت، فقہ کی تاریخ، فقہ کے اصول اور فقہی ماٰخذ پر قارئین کرام ذیل میں میری مختصر معروضات ملاحظہ فرمائیں اور میرے لئے برکت و خیر اور حسن خاتمہ کی دعاء فرمائیں۔

فقہ کی تعریف

لغت میں فقہ کے معنی ہیں "الشق و الفتح" یعنی شق کرنا اور کھولنا۔
اسی بنیاد پر زمخشری[1] نے فقیہ کی تعریف یہ کی ہے۔

﴿ الفقیه: العالم الذی یشق الأحکام و یفتش عن حقائقها. ﴾ ۲

فقیہ وہ عالم دین ہے جو شریعت کے احکام کو کھولتا ہے اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔

۱۔ ابوالقاسم محمد بن عمر الزمخشری کی پیدائش ۸ / مارچ ۱۰۷۵ء کو خوارزم میں ہوئی۔ یہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" کی وجہ سے مشہور ہیں۔ معتزلہ کے بڑے عالم سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بہت سفر کیا تاہم مکہ مکرمہ میں قیام بڑا ہی طویل ہو گیا جس کی بنیاد پر "جاراللہ" کہے جانے لگے۔ ۱۴ / جون ۱۱۴۴ء کو اپنے آبائی شہر میں انتقال کر گئے۔ دیکھئے! انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، انٹرنیٹ ایڈیشن

۲۔

شرح مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

﴿ الفقه حكمة شرعية فرعية ﴾ ۱

یعنی فقہ اس حکمت شرعیہ کا نام ہے جس کا تعلق عقائد سے نہیں بلکہ احکام سے ہے۔

عام فقہا سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے:

﴿ العلم بالأحكام الشرعية عن أدلتها التفصيلية ﴾ ۲

ترجمہ: احکام شرعیہ کو معلوم کرنا ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ۔

صاحب مسلم الثبوت کی صراحت کے مطابق عہد قدیم میں علم فقہ کا اطلاق وسیع مفہوم میں ہوتا تھا۔ یعنی اس کے دائرۂ بحث میں علم شریعت کے علاوہ علم الٰہیات اور علم طریقت کے مسائل بھی شامل تھے۔

موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ إن الفقه فی الزمان القديم كان متناولا لعلم الحقيقة و هی الإلهيات من مباحث الذات و الصفات و علم الطريقة و هی مباحث المنجيات و المهلكات و علم الشريعة الظاهرة ﴾ ۳

۱۔ شرح مسلم الثبوت: الشیخ علامہ عبد الحق خیرآبادی، ص: ۷، ط: غ، ت: غ، مط: منشی نول کشور لکھنؤ

۲۔ توضیح وتلویح: الشیخ علامہ سعد الدین تفتازانی، ص: ۱۲، ت: غ، ط: غ، مط: منشی نول کشور لکھنؤ الھند

۳۔ مسلم الثبوت: علامہ محب اللہ بہاری، ص: ۵، ت: غ، ط: غ، مط: الحسینیہ المصریہ

ترجمہ: علم فقہ زمانہ قدیم میں شامل تھا علم حقیقت کو بھی جسے علم الٰہیات بھی کہتے ہیں اور جس میں خدا کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم طریقت کو بھی جس میں نجات دینے والے اور ہلاک کرنے والے امور سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم شریعت ظاہر کو بھی جس میں احکام سے بحث ہوتی ہے۔

جس عہد میں فقہ کے مباحث کا دائرہ اتنا وسیع تھا، اس وقت فقہ کی تعریف یہ کی جاتی تھی۔ ﴿ الفقه معرفة النفس مالها و ما عليها ﴾ [1]

ترجمہ: انسان کے فرائض وحقوق اور منافع ومضار کو جاننا علم فقہ کہلاتا ہے۔

امام اعظم [2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب کا نام 'فقہ اکبر' غالباً اسی اصطلاح کے نتیجے میں ہے۔

ایک عرصہ دراز تک علم فقہ کا اطلاق اسی مفہوم میں ہوتا رہا، لیکن اسلامی

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ: الشیخ وہبہ الزحیلی، ج:۱، ص:۱۵، ط:۱، ت: ۱۹۸۴ء، مط: دار الفکر دمشق

۲۔ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ فقہ حنفی کے مؤسس اعلیٰ ہیں۔ پیدائش ۸۰ ھجری میں ہوئی۔ حضرت حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ کے درس میں شریک رہے۔ آپ نے ۲۲ صحابہ اور سینکڑوں تابعین کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ کتاب الآثار، مسند امام ابو حنیفہ، اربعینات، وحدانیات وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ آپ سے کسب فیض کرنے والے بے شمار ہیں۔ آپ کا وصال ۱۵۰ ھجری میں ہوا۔ دیکھئے! نزہۃ القاری: مفتی شریف الحق امجدی، ج:۱، مقدمہ، ن: دائرۃ المعارف گھوسی، مط: غ، ت: غ، حیات امام اعظم: شیخ ابو زہرہ، ن: دہلی، ت: ۱۹۸۷ء، ط: غ،

فتوحات کے نتیجے میں جب دنیا کی مختلف اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے تو علوم وفنون کے تبادلے کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات بھی دینی مباحث میں داخل ہو گئے۔ اور جب وقت کے تقاضے کے مطابق عقائد و ایمانیات کو عقلی دلائل سے مسلح کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی تو عقائد کے مباحث نے ''علم کلام'' کے نام سے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد فقہ کا مفہوم ''علم شریعت ظاہر'' میں محدود ہو گیا۔

لیکن حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گراں قدر تصنیف ''احیاء العلوم'' میں ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار انفرادیت کے باوجود فقہ پر علم طریقت کو اثر انداز رہنا چاہئے۔ ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے۔ دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو۔ طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے۔ کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے۔ مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر

۱۔ ابو حامد محمد بن محمد اسلامی دنیا کے بڑے مفکر، مصنف اور فلسفی گزرے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۴۵۰ ہجری کو طوس میں ہوئی۔ نیشاپور میں تعلیم پائی اور زمانۂ طالبعلمی میں ہی مصنف ہو گئے۔ حج کی سعادت کے بعد دمشق میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ مصر و شام میں مدتوں قیام کیا پھر طوس واپس آئے۔ کئی معرکۃ الآراء کتابیں آپ سے یادگار ہیں، جن میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، تہافتۃ الفلاسفہ وغیرہ مشہور ہیں۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۵۰۵ ہجری کو انتقال ہوا۔ دیکھئے!

الطبقات الشافعیہ: علامہ تقی الدین سبکی، ج: ۴، ص: ۱۰۱، ت: غ، مط: غ، ن: غ

وقت اس کے پیش نظر ہو مال کی طمع نہ رکھے۔ آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو۔ عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو۔ راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو۔ دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔ ١

فقہ کی بنیاد قرآن میں

فقہ کا فن عقلی علوم وفنون کی طرح خود ساختہ نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں اس کی بنیادیں موجود ہیں۔ قرآن کے ساتھ علم فقہ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ فقہ کا لفظ بھی قرآن ہی سے لیا گیا ہے۔ ویسے تو جگہ جگہ قرآن میں تدبر، تفکر، تعقل اور شعور و ادراک کی دعوت عام ہے، لیکن ایک آیت کریمہ میں قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ اہل ایمان کو فقہ کی دعوت دی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے:

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ ٢

ترجمہ: پس ایسا کیوں نہ ہو کہ مومنین کے ہر طبقے سے ایک جماعت نکلے تا کہ دین میں تفقہ حاصل کرے۔

واضح رہے کہ جس علم سے دین میں تفقہ پیدا ہوتا ہے اسی کا نام علم فقہ ہے

١۔ احیاء العلوم: امام ابو حامد محمد الغزالی، ج:١، ص:٧٤۔٧٩، ت:غ، ط:اول، مط:غ، مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی، ن: فاروقیہ بکڈپو دہلی

٢۔ القرآن الکریم، سورت:٩، آیت: ١٢٢

کیوں کہ فقہ ایک ایسا فن ہے جس کا تعلق بے شمار علوم وفنون سے ہے۔ تفصیل آ گے آ رہی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق قرآن کی اس آیت کریمہ میں بھی فقہ کی بنیاد ہمیں ملتی ہے۔

﴿ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ﴾ [1]

ترجمہ: جو حکمت دیا گیا وہ خیر کثیر سے مالا مال ہوا۔

حدیث میں فقہ کی بنیاد

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ﴾ [2]

ترجمہ: اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے۔

دوسری حدیث مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ إن رجالا یاتونکم من الأرض یتفقھون فی الدین فإذا أتوکم فاستوصوا بھم خیرا ﴾ [3]

۱۔ القرآن الکریم، سورت:۲، آیت:۲۶۹

۲۔ بخاری: شیخ محمد بن اسمٰعیل البخاری، ج:۱، ص:۱۲۸

۳۔ مرآۃ المناجیح: مفتی احمد یار خاں نعیمی، ج:۱، ص:۲۰۱، ت:غ، م ط:غ، ط:غ، ادبی دنیا دہلی

ترجمہ: زمین کے مختلف خطوں سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے تاکہ دین میں تفقہ حاصل کریں۔ جب وہ تم سے ملیں تو تم انہیں خیر کی وصیت کرنا۔

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ غیب کی خبر بھی ہے اور علم فقہ کی شرعی اہمیت کا اظہار بھی۔ فقہ کا علم سیکھنے کے لئے دنیا کے کونے کونے سے صحابۂ کرام کے گرد تاریخ کے آئینے میں پروانوں کی جو بھیڑ ہم دیکھتے ہیں، وہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخبار بالغیب ہی کی واقعاتی تصویر ہے۔

فقہ کی ضرورت

ویسے تو قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا نصوص ہی اس امر کے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں کہ مسلمانوں کو فقہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو دین میں تفقہ حاصل کرنے کی دعوت کیوں دی جاتی۔ لیکن چونکہ ایک طبقہ شدت کے ساتھ فقہ کی ضرورت کا منکر ہے، اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ ذرا تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کو منقح کردوں۔

منکرین کا کہنا ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور احادیث خدا کے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کا مجموعہ۔ قرآنی احکام میں جو اجمال ہے اس کی تفصیلات احادیث میں ہیں۔ جہاں تک شریعت کے احکام سے باخبر ہونے کا تعلق ہے، تو اس کے لئے قرآن وحدیث کے بعد اب ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہ چند انسانوں کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ بندہ اور امتی ہونے کی حیثیت سے ہم صرف خدا اور رسول کے احکام کے پابند ہیں۔ اپنی ہی طرح امت کے چند افراد کی اطاعت ہمارے اوپر قطعاً مسلط نہیں کی جاسکتی۔ شارع کی حیثیت سے بندوں پر یا تو خدا کا قول نافذ ہوسکتا ہے یا رسول کا ......امت کے چند افراد کے لئے تشریعی منصب تسلیم کرنا اسلام کا نہیں شرک کا تقاضا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں سب سے پہلے ہم اس خیال فاسد کی تردید ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ و رسول کے علاوہ کسی اور کی اطاعت اسلام میں شرک ہے۔ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صاف وصریح فرمان موجود ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُو اللّٰهَ وَ اَطِيْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ.... ﴾ [1]

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

''اولوالامر'' سے مراد خلفائے اسلام ہوں یا علمائے امت۔ دونوں طبقے میں سے کوئی بھی نہ خدائی کا منصب رکھتا ہے اور نہ رسالت و نبوت کا۔ لیکن اسکے باوجود از روئے فرمان خداوندی ان کے حکم ہمارے لئے واجب الاطاعت ہیں۔

یہ آیت کریمہ واضح طور پر اس عقیدے کی تردید کرتی ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال کی اطاعت ہمارے ہی طرح چند انسانوں کے اقوال کی اطاعت ہے بلکہ ''اولوالامر'' ہونے کی حیثیت سے ان کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے کہ اللہ ہی

ا۔ القرآن الکریم، سورت:۴، آیت:۵۹

کے حکم سے ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ جس طرح آیت کریمہ: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾[1] میں رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے کہ اللہ ہی نے اپنے رسول کو اپنا نائب اکبر اور مطاع الکل بنا کر بھیجا ہے

اب رہ گیا یہ سوال کہ زندگی کے بیشمار احوال و ظروف میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے ہمیں قران و حدیث کے علاوہ بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہے یا نہیں۔ تو اس سلسلے میں ایک بنیادی نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مصدر احکام اور منبع قانون ہونے کی حیثیت سے قرآن و حدیث ہی اصل ہیں۔ قانون وضع کرنے کا حق صرف اللہ و رسول کا ہے۔ ائمہ مجتہدین کو ہم ''شارع'' کی حیثیت سے نہیں بلکہ قانون کے ''شارح'' کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ فقہ ان مسائل و جزئیات کے مجموعہ کا نام ہے، جو ایک مسلمان کو اپنی شخصی زندگی میں پیش آتے ہیں اور جنہیں ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث کے اصول و کلیات سے اخذ کیا ہے۔

امت پر ائمہ مجتہدین کا یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے صحابۂ کرام کے فقہی احکام، قضایا اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں ان کے اجتہادات کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ طریقہ اخذ کیا کہ نئے نئے حوادث میں قرآن و حدیث کے اصول و کلیات سے احکام کا استخراج کس طرح کیا جاتا ہے؟....کون سا لفظ کتنے معنوں میں مستعمل ہے؟.....قرآن کے نصوص سے مفہوم اخذ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟.... زمان و مکان، احوال و ظروف اور اشخاص و طبائع کے اختلاف کا احکام پر کیا اثر پڑتا ہے، کیوں پڑتا ہے اور کب پڑتا ہے؟.....تعبیرات اور انداز بیان سے حکم کی نوعیت

۱۔ القرآن الکریم، سورت:۴، آیت: ۸۰

معلوم کرنے کا ضابطہ کیا ہے؟.....اسناد و رجال کے اعتبار سے حدیث کی قوت و ضعف کا احکام پر کیا اثر پڑتا ہے اور کس نوعیت کے احکام کس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں؟

اس طرح کے بیشمار اصول و ضوابط ائمہ مجتہدین نے سالہا سال کی عرق ریزی، غور و فکر اور چھان بین کے بعد مرتب فرمائے، جو اصول فقہ کے نام سے ایک مستقل فن کی صورت میں آج بھی ہماری درسگاہوں میں داخل درسیات ہیں۔

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ فقہ اور اصول فقہ ان دونوں فن کی کتابیں منکرین کے مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

ایک دلچسپ مکالمہ:

ایک غیر مقلد صاحب جو اپنے کسی مدرسہ کے صدر مدرس تھے، ایک موقع پر ان سے بات چیت کے دوران میں نے دریافت کیا کہ جب آپ لوگ فقہ اور اصول فقہ کو مانتے ہی نہیں ہیں تو اسے اپنے مدرسوں میں پڑھاتے کیوں ہیں؟ انہوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ اصول فقہ کے بغیر قرآن و حدیث کے مطالب کا سمجھنا تو بڑی بات ہے صحیح ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکتا.....اور فقہ اس لئے ہم پڑھاتے ہیں کہ وہ اصول فقہ کے کارخانے کے ڈھلے ہوئے مال ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد صحیح اندازہ لگتا ہے کہ مال کس طرح ڈھالا جاتا ہے۔ میں نے کہا سچ سچ بتایئے کیا آج کے علماء اس سے بہتر مال ڈھال سکتے ہیں؟ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے اعتراف کیا کہ بہتر تو کیا اس کے برابر بھی نہیں ڈھال سکتے۔ میں نے کہا کہ جب بہتر بھی نہیں ڈھال سکتے

اور اس کے برابر بھی نہیں ڈھال سکتے تو پہلے کے ڈھلے ہوئے مال کے قبول نہ کرنے کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ حضرات اپنے عوام سے امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی[1]، امام مالک[2] اور امام احمد بن حنبل[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بجائے اپنی تقلید کرانا چاہتے ہیں۔ پیشوائی کی ہوس میں آپ حضرات اپنی قرار واقعی حیثیت تک

۱۔ امام شیخ محمد بن ادریس الشافعی رضی اللہ عنہ غزہ میں ۱۵۰ ھجری کو پیدا ہوئے۔ یتیمی میں پرورش پائی۔ جب آپ دو برس کے تھے، والدہ آپ کو مکہ لے آئیں۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کرلیا۔ امام مالک اور امام محمد وغیرھما سے کسب علم کیا۔ عراق ومصر وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں علماء سے ملاقات کی۔ شافعی مذہب آپ ہی سے منسوب ہے۔ بڑے عابد وزاہد تھے۔ کئی کتابیں آپ سے منسوب ہیں۔ جن میں الام، الرسالۃ، المسند اور احکام القرآن مشہور ہیں۔ ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور مصر میں مدفون ہوئے۔ دیکھئے! مقدمہ الرسالۃ: شیخ احمد محمد شاکر، ص:۵۔۸، ت:۱۹۷۹ء، ط:۲، ن: دار التراث قاہرہ۔

۲۔ امام ابو عبداللہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی ولادت ۹۳ ھجری میں ہوئی۔ آپ نے وقت کے اجلہ علماء کرام سے علم حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو امام دار الھجرہ بھی کہا جاتا ہے۔ بڑے زاہد وعابد تھے۔ ان کی مشہور کتاب مؤطا قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مالکی مذہب آپ ہی سے منسوب ہے۔ آپ کا وصال ۱۷۹ ھجری میں ہوا۔ دیکھئے!

دائرۃ معارف اسلامیہ، ج:۱۸، ص:۳۷۲۔۳۸۲

۳۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی ولادت ۱۶۴ ھجری میں ہوئی۔ آپ نے علم حدیث اور فقہ میں درک حاصل کیا۔ علماء کبار سے کسب فیض کیا۔ خلق قرآن کے مسئلے میں قید وبند کی صعوبتیں اور کوڑے کی سزا خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں۔ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزھد، کتاب التفسیر، مسند احمد حنبل وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ حنبلی مذہب آپ ہی سے منسوب ہے۔ ۲۴۱ ھجری میں وصال ہوا۔ دیکھئے!

تاریخ بغداد، ج:۴، ص:۴۱۲

بھول گئے۔ آپ حضرات نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ امام بخاری جیسے نقاد، بالغ نظر اور مجتہد فی الحدیث امام جنہیں اسانید و رجال کی پوری تفصیلات کے ساتھ لاکھوں حدیثیں یاد تھیں، وہ تو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھ سکے اور آپ حضرات بخاری شریف کو صرف الماریوں میں رکھ کر مجتہد بن گئے؟

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

فقہ کی ضرورت کے سلسلے میں بحث کا یہ گوشہ بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ قرآن حکیم میں چونکہ احکام کے صرف اصول و کلیات ہیں، اس لئے قرآنی احکام کی تفصیل و تشریح کے لئے ہمیں احادیث کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن احادیث کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ فرائض و احکام کی تعمیل کے سلسلے میں ایک ایک فرد کو جو احوال و واقعات پیش آتے ہیں، ان ساری تفصیلات کے لئے ان میں صریح احکام موجود ہیں۔ شریعت محمدی قیامت تک کے لئے مسلمانوں پر نافذ ہے۔ اس لئے زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے مختلف ظروف و احوال میں انہیں شریعت کی طرف سے واضح ہدایت چاہئے۔ یہیں سے شخصی زندگی کے ان مسائل میں جن کے متعلق کتاب و سنت میں صریح و منصوص احکام موجود نہیں ہیں، اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور اس طرح کے حالات میں اجتہاد کا حق علمائے امت کو خود رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا کیا ہے۔ اور قرآن بھی مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے تم واقف نہیں ہو تو واقف کاروں سے پوچھ لو قرآن مقدس کے الفاظ میں۔

﴿ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ١

ظاہر ہے کہ پوچھنا عمل ہی کے لئے ہے۔ اس لئے یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ از روئے قرآن بتانے والوں کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ورنہ پوچھنا لغو ہو جائے گا اور بغیر علم کے یا تو آدمی اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے گا یا بے عمل رہے گا۔

جب کتاب وسنت سے اجتہاد کی ضرورت اور اس کا جواز ثابت ہو گیا تو اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اجتہادی مسائل کے مجموعہ کا نام ہی ''فقہ'' ہے۔

فقہ کی تاریخ

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کا فن ائمہ مجتہدین کے دور کی پیداوار ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ احادیث وسیر اور اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ فقہ کی بنیاد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میمون میں پڑ چکی تھی۔ اس طرح ہم فقہ کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلا دور

فقہ کا پہلا دور ظہور نبوت سے لے کر ١٠ھ تک ہے، جسے ہم عہد رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس عہد مبارک میں چونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی منبع احکام اور شارع اسلام ہونے کی حیثیت سے صحابہ کے درمیان موجود

١۔ القرآن الکریم، سورت: ١٦، آیت: ٤٣

تھی اس لئے اپنی شخصی زندگی میں جب بھی انہیں کوئی نیا مسئلہ پیش آتا وہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ انہیں حکم معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ البتہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو عامل بنا کر باہر بھیجتے تھے تو حضور کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ ارباب حل و عقد کو جب کوئی نیا مسئلہ پیش آ جائے اور حکم دریافت کرنے کے لئے پیغمبر بھی سامنے موجود نہ ہوں اور قرآن وسنت سے بھی کوئی صریح ہدایت نہ ملتی ہو تو ایسی حالت میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے انہیں اجتہاد سے کام لینا چاہئے۔ اسی طرح کے واقعات سے ہمیں عہد رسالت میں فقہ اسلامی کی بنیاد دستیاب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں نئے نئے مسائل میں خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات وارشادات سے بھی شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے کہ کن حالات میں شریعت کیا چاہتی ہے۔

دوسرا دور

فقہ اسلامی کا دوسرا دور کبار صحابہ کا عہد مبارک ہے، جو ۱۰ھ کے بعد سے شروع ہوکر ۴۱ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اسے ہم فقہ صحابہ کا دور کہتے ہیں۔ اس دور کے مشہور فقہاء کرام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

۱۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہوئے۔ مدینہ ہجرت کی۔ جنگوں میں مجاہدانہ کردار کے جوہر دکھائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے۔ مصر، شام، فلسطین وغیرہ آپ ہی کے دور خلافت میں اسلامی مملکت میں شامل کئے گئے۔ نماز ادا کرتے ہوئے شہید کئے گئے اور مدینہ میں مدفون ہوئے۔ دیکھئے! اسد الغابۃ: شیخ ابوالحسن علی الشیبانی، ج:۴، ص:۱۶۸۔۱۳۷،

حضرت عثمان بن عفان غنی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاذ بن جبل[4] بن اوس انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

۱۔ آپ ابتداء ہی میں مشرف باسلام ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد کی حیثیت سے بڑے قریب رہے اور آپ کی دو صاحبزادیوں سے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ غزوات میں شرکت کی۔ تیسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔ قرأت قریش پر قرآن پاک کو جمع کروایا۔ ۳۵ ھجری میں جمعہ کے دن آپ کو شہید کر دیا گیا۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ دیکھئے! دائرۃ معارف اسلامیہ، ج: ۱۲، ص: ۱۰۰۱۔۱۰۱۰

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین صحابہ میں سے ہیں جو ہمیشہ آپ کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔ کوفے کے بیت المال کے ناظم بنائے گئے۔ قرآن وسنت کا عالم ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دینی مسائل حل کیا کرتے تھے۔ ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھئے! ن م، ج: ۱، ص: ۶۸۸

۳۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے حاضر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور ایمان لائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ اشاعت اسلام کے لیے یمن بھیجا گیا۔ یمن، بصرہ اور کوفہ کے عامل مقرر ہوئے۔ خوزستان کا علاقہ فتح کیا۔ حسن قرأت قرآن کی وجہ سے بھی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ وفات ۴۳ ھجری میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج: ۲، ص: ۸۰۲۔۸۰۵

۴۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ حلال وحرام کے سب سے بڑے جانکار تھے۔ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن کی جمع وتدوین میں حصہ لیا۔ غزوات میں شرکت کی۔ یمن کے قاضی بنائے گئے۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوہ شام میں شرکت کی۔ اردن کے اطراف ونواح میں ۱۸ ھجری میں وصال فرمایا اور قصر معینی میں مدفون ہوئے۔ آپ سے ۱۵۷ احادیث مروی ہیں۔ دیکھئے! ن م، ج: ۲، ص: ۲۷۷۔۲۷۸

حضرت ابی بن کعب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زید بن ثابت[2] رضی اللہ تعالیٰ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

تیسرا دور

فقہ اسلامی کا تیسرا دور صغار صحابہ اور کبار تابعین کا ہے۔ یہ دور ۴۱ھ کے بعد سے شروع ہو کر دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مبارک دور ہے، جبکہ اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ شرق و غرب اور جنوب و شمال میں دور دور تک اسلام کی بادشاہت کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے۔ دین تبلیغ و اشاعت کے لئے امت کے اصحاب علم و فضل اسلامی مفتوحات کی

۱۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ قبل اسلام احبار یہود میں سے تھے کاتب وحی مقرر ہوئے۔ غزوات میں شرکت کی۔ اپنے دور کے مفتی بھی رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کریم جمع کرنے والوں میں آپ بھی شریک رہے۔ آپ سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں۔ مدینہ میں انتقال فرمایا۔ دیکھئے! اعلام، ج:۱، ص: ۸۲

۲۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شمار کاتبان وحی میں ہوتا ہے۔ آپ صغر سنی میں ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ غزوات میں شریک رہے۔ یہود کے ساتھ خط و کتابت کے فرائض آپ ہی انجام دیتے تھے۔ علم فرائض اور فقہ کے ماہر تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن پاک جمع کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ناظر بیت المال رہے۔ ۴۵ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ دیکھئے! دائرۃ معارف اسلامیہ، ج:۱۰، ص: ۵۴۳

۳۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ آپ خداداد ذہانت و فطانت کی مالک تھیں۔ علم کا وافر مقدار آپ کے حصہ میں آیا۔ آپ کا شمار کثیر الروایہ افراد میں ہوتا ہے۔ آپ کا وصال ۵۸ ہجری میں ہوا۔ دیکھئے! ن م، ج: ۱۲، ص: ۷۰۷۔ ۷۱۲

وسعتوں میں ہر طرف گروہ در گروہ پھیل گئے۔ چنانچہ اس دور کے مشہور فقہاء کے اسمائے گرامی پڑھنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ علمی اور فقہی شخصیتوں کے مراکز کم وبیش سارے اسلامی بلاد میں قائم ہو گئے تھے، جہاں سے دینی علوم اور فقہی مسائل کی تدوین واشاعت کا سلسلہ ساری دنیا میں پھیل گیا تھا۔

اب ذیل میں اس دور کے مشہور فقہائے اسلام کے اسمائے گرامی بقید بلاد ملاحظہ فرمائیں۔

فقہائے مدینہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عمر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعید بن میسب[2] رضی

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ہیں۔ احادیث نبوی کے راوی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ سے ۲۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔ نیز آپ کا شمار مفتی صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے ساٹھ سالوں تک افتاء کی خدمت انجام دی۔ کتب سیر میں ان کی زندگی کے ایسے محاضرات اور دلکش واقعات بکثرت موجود ہیں، جو ان کی فطری ذہانت، کمال تقویٰ، حلم وانکساری اور اعتدال وقناعت پسندی پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی وفات ۷۳ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱۲، ص:۷۹۹۔۸۰۱

۲۔ حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ مشہور تابعی ہیں۔ آپ کا لقب ابو محمد ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳ ہجری میں ہوئی۔ مدینہ شریف کے سات فقہاء کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ علم حدیث، فقہ، زہد وتقویٰ کے جامع تھے۔ تیل کی تجارت کے ذریعہ گزر بسر کرتے تھے اور ہدیہ وصدقہ قبول نہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ احکام اور نافذ کردہ فیصلے کو بخوبی یاد رکھتے۔ آپ کی وفات مدینہ میں ۹۴ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! اعلام، ج:۳، ص:۱۰۲

اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عروہ بن زبیر بن عوام[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت ابوبکر بن عبد الرحمٰن[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت علی بن حسین[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت سلیمان بن یسار[5] رضی اللہ تعالیٰ عنہما،

۱۔حضرت عروۃ بن زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ مدینہ مقدسہ کے سات فقہاء کرام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ دینی امور کے جانکار نیز صالح و شریف النفس تھے۔ بصرہ کا سفر کیا پھر وہاں سے مصر آئے۔ وہیں شادی کی اور سات سال مقیم رہے۔ وہاں سے واپس مدینہ حاضر ہوئے اور مدینہ شریف میں ہی ۹۳ ہجری کو وفات پائی۔ دیکھئے! اعلام، ج:۴، ص:۲۲۶

۲۔حضرت ابوبکر بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نامور حافظ حدیث اور مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں۔آپ نے حضرت عثمان، حضرت ابوقتادہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھم اور دوسرے ممتاز صحابہ سے کسب فیض کیا۔آپ ثقہ، حجت، امام کثیر الروایہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخی تھے۔آپ عبادت گزار اور خشیت ربانی کے پیکر تھے اسی وجہ سے آپ کو راہب قریش کہا جاتا ہے۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ: امام ابوعبد اللہ محمد ذہبی، ج:۱، ص:۷۰، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن:اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور

۳۔آپ زین العابدین کے لقب سے مشہور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔کربلا میں بیمار ہونے کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لیا۔ بڑے سخی، عابد اور غریب پرور تھے۔ مدینہ میں ہی ۹۴ ہجری کو وفات پائی۔ دیکھئے! دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱۴/۲، ص:۴۷

۴۔آپ کا شمار مدینہ شریف کے سات عظیم فقہاء میں ہوتا ہے۔آپ سادات تابعین اور ثقہ علماء کرام میں سے ہیں۔۱۰۶ ہجری میں مدینہ میں وفات پائی۔ دیکھئے!
تہذیب التہذیب: علامہ ابن حجر عسقلانی، ج:۳، ص:۴۳۶، ت:غ، ط:غ، حیدر آباد

۵۔آپ کا شمار مدینہ کے چوٹی کے فقہاء میں ہوتا ہے۔آپ حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔بڑے خوبرو تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۷ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۹۱

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت نافع[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت یحییٰ[5] بن

۱۔آپ قریش کے مشہور قبیلہ بنوتیم سے تعلق رکھتے تھے۔ممتاز فقہاء میں شمار ہوتا ہے۔آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا۔یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہیں جسے ہم قاسم پر برتری دیں۔گرامی قدر بڑے عابد وزاہد تھے۔آپ کی وفات ۱۰۷ ہجری میں ہوئی۔

دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۹۵

۲۔آپ مدینہ شریف کے تابعین ائمہ کرام کی صف میں آتے ہیں۔آپ سے بہت ساری احادیث مروی ہیں۔اتنے ثقہ راوی تھے کہ جملہ مرویات میں آپ کے حوالے سے کوئی خطاء نہیں پائی گئی۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے آپ کو مصریوں کی دینی تربیت کے لیے مصر بھیجا۔۱۱۷ ہجری میں وفات ہوئی۔ دیکھئے! اعلام، ج:۸، ص:۶

۳۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے، اپنے علم وفضل کی وجہ سے ''باقر'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔علم حدیث میں آپ کو سند کی حیثیت حاصل ہے۔آپ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔۱۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھئے! دائرہ معارف، ج:۱۹، ص:۳۴۰

۴۔آپ ثقہ محدثین کبار میں سے ہیں۔حضرت سفیان حدیث میں آپ کو امیر المؤمنین بتاتے ہیں۔مصعب زہری نے لکھا ہے کہ آپ اہل مدینہ کے فقیہ تھے۔آپ کی وفات ۱۲۱ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۲۶

۵۔آپ کا شمار مدینہ کے اکابر محدثین کی فہرست میں ہوتا ہے۔بنی امیہ کے دور میں مدینہ شریف کے قاضی بھی رہے۔مختلف علاقوں کے والی مقرر کئے گئے۔عہد عباسی میں عراق رحلت کر گئے اور مقام ہاشمیہ میں ۱۴۳ ہجری کو وفات پائی۔ دیکھئے!

اعلام، ج:۸، ص:۱۴۷

سعید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فقہائے کوفہ

حضرت علقمہ بن قیس نخعی[1]، حضرت مسروق بن اجدع[2]، حضرت عبیدہ بن عمر سلمانی[3]،

۱۔ مدینہ میں رہنے والے بلند پایہ فقیہ، ممتاز حافظ حدیث اور صاحب بصیرت مجتہد ہیں۔ حضرت انس، حنظلہ بن قیس اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ علماء کی مجالس درس میں حاضر ہوئے تو عقل و ہوش سے کام لیکر آسمان علم پر آفتاب نصف النہار بن کر چمکے۔ دن رات نماز پڑھنا آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ نہایت اخلاق مند تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۶ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۴۰

۲۔ آپ مشہور تابعی ہیں۔ عراق کے جلیل القدر فقیہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ فضیلت، کردار اور علامت وشعار میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متبع تھے۔ صحابہ کرام سے احادیث روایت کی۔ جنگ صفین میں حاضر ہوئے۔ خراسان پر حملہ میں شریک رہے۔ خوارزم میں دو سالوں تک مقیم رہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی اور ۶۲ ہجری کو وہیں انتقال ہوا۔ دیکھئے! اعلام، ج:۴، ص:۲۴۸

۳۔ مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ اہل یمن کے ثقہ تابعی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ آئے۔ وہاں سے کوفہ گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ حضرت شریح رضی اللہ عنہ سے تقوی میں بڑھے ہوئے تھے اور قضاء کے معاملہ میں وہ آپ پر سبقت رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۶۳ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج:۷، ص:۲۱۵

۴۔ حضرت عبیدہ السلیمانی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت یمن میں مشرف باسلام میں ہوئے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ آئے اور بہت سی جنگوں میں شریک رہے۔ علم فقہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ قضاء میں قاضی شریح کے ہم پلہ تھے۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۴۸

حضرت اسود بن یزید نخعی[۱]، حضرت شریح بن حارث کندی[۲]، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی[۳]، حضرت سعید بن جبیر[۴] اور حضرت ماعز بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۔ آپ تابعی ہیں۔ پیدائش کوفہ میں ہوئی۔ کوفہ کے علاوہ مکہ اور مدینہ کے اکابر صحابہ سے کسب فیض کیا۔ آپ کا شمار فقہاء اور حفاظ احادیث میں ہوتا ہے۔ اپنے زمانے میں آپ کوفہ کے قاضی رہ چکے ہیں۔ آپ کی وفات ۷۵ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے!
تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۴۸

۲۔ آپ یمن نژاد ہیں۔ ابتداء اسلام کے مشہور فقیہ اور قاضی رہے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کوفہ کا منصب قضاء سنبھالا۔ جب حجاج کے زمانے میں استعفیٰ دیا تو ۷۷ ہجری میں اسے قبول کرلیا گیا۔ ثقہ محدث تھے۔ ادب وشعر گوئی میں بھی کمال حاصل کیا۔ طویل عمر پا کر ۷۸ ہجری میں آپ کوفہ میں انتقال کر گئے۔
دیکھئے! اعلام، ج:۳، ص:۱۶۱

۳۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی ولادت کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے چچا حضرت علقمہ اور ماموں حضرت اسود رضی اللہ عنہما سے کسب فیض کیا۔ خداداد حفظ وضبط اور علم وعمل کی بنیاد پر آپ کوفہ کے ممتاز عالم بن گئے تھے۔ علم حدیث کے نقاد تھے۔ آپ کا خاص میدان فقہ تھا۔ وہ اس فن میں درجۂ امامت واجتہاد پر فائز تھے۔ آپ کا وصال ۹۵ ہجری میں ہوا۔ دیکھئے!
تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۷۸

۴۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ سے کسب فیض کیا۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض اور ادب وشاعری میں کمال حاصل کیا۔ کچھ دنوں کے لیے کوفہ کے عہدۂ قضاء پر فائز کیے گئے اور پھر قاضی کوفہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے مشیر ہو گئے۔ حجاج بن یوسف کے مظالم کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ بعد میں قید وبند کی صعوبتوں سے گزرے اور حجاج کے حکم پر ۹۵ ہجری میں قتل کر دیئے گئے۔ دیکھئے! تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۱۲

فقہائے بصرہ

حضرت انس بن مالک انصاری[۱]، حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی[۲]،
حضرت ابو الشعثاء جابر بن زید[۳]، حضرت محمد بن سیرین[۴]، حضرت حسن بن ابو الحسن یسار[۵]

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی، خادم رسول، امام، مفتی، قاری و معلم قرآن، محدث اور ثقہ راوی ہیں۔ آپ نے دس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں گزارا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بحرین کا عامل مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم فقہ کے لیے آپ کو بصرہ بھیجا۔ پھر آپ نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۰۳ سال کی عمر میں ۹۳ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ دیکھئے! تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۳۷۶

۲۔ آپ بنو ریاح کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بصرہ اور مدینہ کے کبار صحابہ سے کسب فیض کیا۔ آپ بے مثال خوش الحان قاری، مفسر قرآن اور ثقہ راوی کی حیثیت سے معروف ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۹۳ ہجری میں خراسان کے کسی علاقہ میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج:۳، ص:۲۴۶

۳۔ آپ مشہور تابعی ہیں۔ بصرہ کے فقیہ ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ علم و عرفان کے بحر ذخار تھے۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو عمان جلاوطن کر دیا تھا۔ آپ کی تاریخ وفات ۹۳، ۹۶، ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہجری بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۶۸

۴۔ آپ بصرہ میں دینی علوم کے امام وقت اور عظیم انشاء پرداز تابعی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ نے حضرت مالک بن انس اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب علم کیا۔ آپ فقہ، تفسیر، حدیث اور تعبیر خواب میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۲۱۴

۵۔ آپ کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔ آپ نے قرآن، حدیث، تفسیر اور زبان و ادب میں کمال حاصل کیا۔ جامع مسجد بصرہ میں درس دیا کرتے تھے۔ بڑے متقی و زاہد تھے۔ لوگ آپ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۱۰ ہجری میں ہوا۔ ن م، ج:۲، ص:۲۳۱

اور حضرت قتادہ بن دعامہ[1] رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے شام

حضرت عبد اللہ غنم اشعری، حضرت ابو ادریس خولانی[2]، حضرت مکحول بن ابو مسلم[3]، حضرت قبیصہ بن ذویب، حضرت رجا بن حیات کندی[4] اور حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۱۔ حضرت قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ پیدائشی نابینا تھے، مگر حافظہ بہت قوی تھا۔ حدیث، تفسیر اور فقہ کے جو مسائل بھی ایک بار سن لیتے وہ یاد ہو جاتا۔ اسی لیے بڑے بڑے علماء نے آپ کے وسعت علم کی گواہی دی ہے۔ حدیث، فقہ، مفردات لغت، ایام عرب اور انساب کے بڑے عالم تھے۔ آپ ۱۱۸ ہجری میں انتقال کر گئے۔ دیکھئے! تذکرہ الحفاظ، ج:۱،ص:۱۱۶

۲۔ حضرت خولانی رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا۔ آپ اہل شام کے فقیہ اور واعظ تھے۔ عبد الملک بن مروان کے دور میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ علم حدیث پر بھی دسترس حاصل تھا اور آپ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کا حلقۂ درس جامع دمشق میں قائم ہوتا تھا۔ جس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ کی وفات ۸۰ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج:۱، ص:۵۳

۳۔ آپ نے مصر میں غلامی کی زندگی بسر کی۔ جب آزاد ہوئے تو حصول علم میں مصروف ہو گئے۔ مصر، عراق، مدینہ اور شام کے کبار علماء سے کسب علم کیا۔ آپ حدیث، فقہ اور افتاء میں کمال رکھتے تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ اور شرکت جہاد ان کے نزدیک نہایت مرغوب تھا۔ باختلاف روایت ۱۱۲، ۱۱۳ یا ۱۱۸ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھئے! ن م، ج:۱،ص:۱۰۲

۴۔ حضرت کندی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا۔ آپ کا شمار شام کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ آپ علم قرآن، حدیث اور فقہ میں کمال رکھتے تھے۔ علماء کے نزدیک ثقہ تھے۔ ۱۱۲ ہجری میں وفات ہوئی۔ دیکھئے! تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۲۲۹

فقہائے مصر

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص[1]، حضرت ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ[2] اور حضرت یزید بن حبیب[3] رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب اصحاب رسول میں ہیں جو قبول اسلام میں اپنے والد پر سبقت لے گئے۔ قبول اسلام کے بعد آپ کے اکثر اوقات بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرتے تھے۔ آپ حدیثیں سنتے اور انہیں قلمبند بھی کیا کرتے تھے۔ بڑے عبادت گزار اور روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ تلاوت قرآن پاک کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے دن قرآن ختم کر لیتے تھے۔ آپ نے بعض غزوات میں بھی شرکت فرمائی۔ عربی زبان و ادب کے علاوہ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے۔ آپ نے تورات و انجیل کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی قلمبند کی ہوئی حدیث کے مجموعہ کا نام ''الصادقۃ'' رکھا تھا۔ آپ کی وفات بمقام مصر ۶۵ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے!

تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۴۰

۲۔ حضرت ابو الخیر مرثد رضی اللہ عنہ اہل مصر کے نامور فقیہ اور مفتی ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری، عقبہ بن عامر جہنی اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۹۰ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج:۱، ص:۷۷

۳۔ حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ مصر کے نامور فقیہ ہیں۔ دیانت و تقویٰ، حزم و اتقاء کی وجہ سے پورے مصر میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔ آپ فقہ کے ساتھ حدیث میں بھی کمال رکھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے آپ کو مصر کے تین مفتیوں میں سے ایک مقرر کیا تھا۔ راویان احادیث کے درمیان آپ ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بڑے بے باک اور نڈر تھے۔ بڑے بڑے امراء کے سامنے کلمۂ حق کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہ کرتے۔ آپ کی وفات ۱۲۸ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے! ن م، ج:۱، ص:۱۱۹

فقہائے یمن

حضرت طاؤس بن کیسان جندی[1]، حضرت وہب بن منبہ[2] اور حضرت یحییٰ بن کثیر[3] رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

چوتھا دور

فقہ اسلامی کا چوتھا دور دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف تک پہنچ کر تمام ہو جاتا ہے۔

اس دور میں اسلامی فتوحات کی وسعت، مختلف اقوام عالم کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط، زبانوں کے تبادلے، دینی حلقوں میں یونانی علوم وفنون کی

۱۔ حضرت طاؤس بن کیسان رضی اللہ عنہ نسلاً عجمی تھے، لیکن آل ہمدان سے تعلقات پیدا کر کے یمن میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ نے صحابہ اور تابعین کی بارگاہوں سے کسب فیض کیا۔ فقہ اور حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ تفقہ کے باوصف فتویٰ دینے میں حد درجہ محتاط تھے۔ آپ کا زہد وتقویٰ اور شان استغناء قابل دید تھا۔ آپ دین کے معاملے میں بڑے نڈر اور بے باک تھے۔ ۱۰۶ ہجری میں وصال ہوا۔ دیکھئے! تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۱۰

۲۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ صنعاء میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے آپ کو قاضی مقرر کیا۔ آپ بڑے نامور مؤرخ تھے۔ کتب قدیمہ کی بہت سی باتیں آپ ہی سے منسوب ہیں۔ کتاب الملوک، کتاب المبتداء وغیرہ نامی کتابیں آپ سے منسوب ہیں۔ دیکھئے! دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۲۳، ص:۵۵

۳۔ حضرت یحییٰ بن کثیر رضی اللہ عنہ قبیلہ طے کی نسبت سے "طائی" کہلاتے ہیں۔ یمامہ کے رہنے والے چوٹی کے عالم ہیں۔ قابل اعتماد راوی اور علوم دینیہ کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ بنو امیہ کی تنقیص کرنے کی وجہ سے مصائب میں گرفتار ہوئے اور انہیں زدوکوب کیا گیا۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۱۸

ترویج، اقطار ارض میں اسلامی علوم کی نشر و اشاعت اور مختلف تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تمدن کے تصادم کی وجہ سے اس وقت کی دنیا ایک جہاں نو میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ فرخندہ فال عہد ہے جب کہ اساطین امت کو پورے اقطار ارض میں زندگی کے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا...... دین کی بقا اور کتاب و سنت کے تحفظ کے لئے نئی نئی ضرورتوں کا احساس ہوا...... فکر و نظر کے جوہر کھلے...... علم و ادراک کے سینکڑوں دائرے حرکت میں آئے...... نئے نئے فنون کی بنیادیں رکھی گئیں...... تدوین و حدیث کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا...... مجتہدین امت کے بہت سارے حلقے وجود میں آئے...... اور سینکڑوں افراد اسلامی قوانین کی تدوین و استنباط کے کام میں شب و روز لگے رہے، تب جا کر ہزاروں مجلدات پر مشتمل اسلامی مسائل و قوانین کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اسلامی تاریخ کو دستیاب ہوا، جو قیامت تک کے لئے امت کی دینی ضروریات کا کفیل ہے۔

اسی دور میں فقہ کے اصول مرتب ہوئے اور کتاب و سنت کے احکام کے لئے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مندوب کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔

اس دور کے مشاہیر فقہاء

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی، امام احمد بن حنبل، حضرت سفیان بن سعید ثوری[1]،

---

[1] آپ دوسری صدی ہجری کے مشہور عالم، محدث، فقیہ اور صوفی تھے۔ قابل اعتماد رواۃ میں شمار ہوتا ہے۔ الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب الفرائض وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۶۱ ہجری میں وفات ہوئی۔ دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۹۲

حضرت شریک بن عبداللہ نخعی[۱] اور حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ[۲] رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے مشہور تلامذہ

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری[۳]، امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی[۴]،

۱۔حضرت شریک نخعی رضی اللہ عنہ علم حدیث اور فقہ کے امام تھے۔قوت حافظہ اور حاضر دماغی میں یکتائے روزگار تھے۔منصور عباسی نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا، پھر معزول کر دیا۔ مہدی نے دوبارہ آپ کو قاضی مقرر کیا۔وہ اپنے فیصلوں میں بڑے منصف تھے۔کوفہ میں ہی ۱۷۷ ہجری میں وفات ہوئی۔دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۱۹۱

۲۔حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ یسار انصاری کوفی رضی اللہ عنہ مشہور فقیہ اور قاضی گزرے ہیں۔بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں کوفہ کے قاضی رہے۔۱۴۸ ہجری میں کوفہ میں ہی وفات ہوئی۔ دیکھئے! اعلام، ج:۶، ص:۱۸۹

۳۔حضرت امام یوسف رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۱۱۳ ہجری میں کوفہ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم کوفہ ہی میں حاصل کی۔مزید تعلیم کے لیے مدینہ کے اہل علم حضرات کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔خلیفہ ہارون کے زمانہ میں بغداد کے قاضی القضاۃ مقرر کئے گئے اور تادم حیات وہ اسی عہدہ پر متمکن رہے۔آپ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد جانے جاتے ہیں۔آپ کا فقہ حنفی کی تدوین میں اہم کردار رہا ہے۔چالیس کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔۱۸۷ ہجری میں وفات ہوئی۔ دیکھئے! دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱، ص:۹۴۸

۴۔امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ حدیث، فقہ اور لغت وادب میں کمال رکھتے تھے۔امام اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر علماء سے کسب فیض کیا۔ہارون رشید نے آپ کو رقہ کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے نوسو کتابیں تصنیف کیں۔۱۸۹ ہجری میں وصال ہوا۔ دیکھئے!
امام اعظم: مولانا سید شاہ تراب الحق، ص:۲۷۷، ط:۲، ت:۲۰۰۳ء، مط: غ، ن: بزم رضا

امام زفر بن ہذیل بن قیس کوفی[1] اور امام حسن بن زیاد لولوی کوفی[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فقہ اسلامی کے مآخذ

شرح مسلم الثبوت میں مآخذ کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

﴿ هو علم بقواعد يتوصل بها إلى استنباط الأحكام الفقهية عن دلائلها. ﴾ [3]

ترجمہ: اصول فقہ ایسے قواعد کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ احکام فقہیہ کوان کے دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے۔

اس تعریف سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ماخذ اس سرچشمہ کا نام ہے جہاں سے فقہی

۱۔ امام زفر بن ہذیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بہت معتمد شاگرد تھے۔ آپ کو حدیث میں امامت اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ فقہ کی تعلیم سے پہلے آپ نے علم حدیث میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ لوگ ''صاحب الحدیث'' کہنے لگے۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ دو بار آپ سے منصب قضاء کے قبول کرنے کی پیشکش کی گئی مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ۱۵۸ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھئے! اعلام، ج: ۳، ص: ۴۵

۲۔ امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ انہیں سے آپ نے علم حدیث حاصل کی۔ مسلک حنفی کے فقیہ اور قاضی تھے۔ کوفہ کے قاضی رہے۔ آپ کی تصنیفات میں ادب قاضی، الخراج، الفرائض وغیرہ اہم ہیں۔ ۲۰۴ ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔ دیکھئے! اعلام، ج: ۲، ص: ۱۹۱

۳۔ شرح مسلم الثبوت، ص: ۷

احکام اخذ کئے جاتے ہیں۔ ویسے حقیقی طور پر سارے احکام کا ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن ہی کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا کہ خدا کے احکام کی طرح اس کے رسول کے احکام کی اطاعت بھی ہم پر فرض ہے۔ اس لحاظ سے احادیث کو بھی شرعی احکام کے ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کرنا ضروری ہوا۔ فقہی احکام کے باقی ماخذ کی شرعی حیثیت بھی کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہے۔

اصول اور فقہی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فقہی احکام کے بارہ ماخذ ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)...............قرآن حکیم

(۲)...............احادیث

(۳)...............اجماع امت

(۴)...............قیاس

(۵)...............استحسان

(۶)...............استدلال

(۷)...............استصلاح

(۸)...............مسلمہ اشخاص کی آراء

(۹)...............تعامل

(۱۰)...............عرف

(۱۱)...............ماقبل کی شریعت

(۱۲)...............ملکی قانون

لیکن عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں صرف چار مآخذ کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض مآخذ بعض میں داخل ہیں۔مثال کے طور پر ''قیاس'' کے عموم میں ''استحسان و استصلاح'' وغیرہ داخل ہیں۔''اجماع'' کے عموم میں ''تعامل اور عرف'' داخل ہے۔''ماقبل کی شریعت'' ''قرآن یا احادیث'' کے عموم میں آتی ہے۔''ملکی قانون'' ''تعامل'' کے ذیل میں شمار ہو سکتے ہیں۔''مسلمہ اشخاص کی آراء'' اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار ''قیاس'' میں ہوگا اور اگر سماع پر مبنی ہیں تو ''حدیث'' کے ذیل میں آئے گی۔''استدلال'' بھی ''قیاس'' ہی کے زمرے کی چیز ہے۔اس طرح اصل مآخذ چار ہیں۔

۱: قرآن　۲: احادیث　۳: اجماع　۴: قیاس

اب ان چاروں مآخذ پر ذیل میں الگ الگ مختصر نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن حکیم

قرآن کریم سے کس طرح کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت علامہ شاطبی[۱] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی گرانقدر تصنیف "الموافقات" میں تحریر فرماتے ہیں۔

﴿ القرآن على اختصاره جامع و لايكون جامعا إلا و

۱۔شیخ ابو اسحق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵۳۸ ہجری میں شاطبہ میں ہوئی۔آپ اصولی، حافظ اور مالکی مذہب کے جید عالم ہیں۔کئی کتابیں لکھیں۔۵۹۰ ہجری میں وصال ہوا۔ دیکھئے! متن الشاطبی: شیخ شاطبی، ص:۲، انٹرنیٹ اڈیشن

المجموع فیه أمور كليات لأن الشريعة تمت بتمام نزوله لقوله تعالىٰ "اليوم اكملت لكم دينكم[1] " و أنت تعلم أن الصلاة و الزكوٰة و الجهاد و أشباه ذلك لم يتبين جميع أحكامها فى القرآن و إنما تبينها السنة و كذلك العاديات من الأنكحة و العقود و القصاص و الحدود و غيرها.﴾ ۲

ترجمہ: قرآن اپنے اختصار کے باوجود زندگی کے سارے مسائل کو حاوی اور سارے احکام کا جامع ہے اور جامع وہی ہوسکتا ہے جس میں امور کلیات بیان کئے جائیں۔ اس لئے کہ نزول قرآن کی تکمیل کے بعد شریعت مکمل ہوگئی جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ آج تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اور تم اس بات کو جانتے ہو کہ نماز، زکاۃ، جہاد اور اس کے مثل دیگر عبادات کے سارے تفصیلی احکام قرآن میں نہیں بیان کئے گئے ہیں۔ تفصیلات کا علم احادیث کے ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح معاملات جیسے نکاح، بیع وشراء اور قصاص وحدود وغیرہ کے تفصیلی احکام بھی قرآن میں موجود نہیں ہیں۔

اس عبارت سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ قرآن میں احکام کے

۱۔ القرآن الکریم، سورت:۵، آیت:۳

۲۔ الموافقات: امام ابو اسحاق ابراہم بن موسی الشاطبی، ج:۳، ص:۳۶۷، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: الرحمانیہ مصر

اصول وکلیات ہیں۔ان کی تفصیلات کا علم احادیث کے ذریعہ ہوتا ہے۔قرآن سے احکام اخذ کرنے کے لئے جن علوم میں مہارت ضروری ہے، ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابواسحاق شاطبی تحریر فرماتے ہیں۔

﴿ لابد لفقيه أن يعلم ما هو ناسخ و منسوخ و ما هو مجمل و مفسر وما هو خاص و عام و ما هو محكم و متشابه.﴾ [1]

ترجمہ: ایک فقیہ کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کی کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے، کون سی آیت مجمل ہے اور کون سی آیت مفسر، کون سا لفظ خاص ہے اور کون سا عام یونہی کونسی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ۔

اور فقیہ کے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ "مأمور به" کس درجہ کا ہے؟.........یعنی فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، مستحب ہے یا مندوب ہے؟.......اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے "منهیٰ عنه" کس درجہ کا ہے؟ ....کفر ہے، حرام ہے، یا مکروہ ہے۔............قرآن فہمی کے لئے شان نزول اور احکام کی علت وحکمت اور نزول قرآن کے وقت عرب کے معاشرہ کی جو حالت تھی اس سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے۔..........اسی کے ساتھ ساتھ آیات کی تفسیر میں مرفوع احادیث اور صحابہ کے اقوال ماثورہ کا علم بھی ضروری ہے۔

قرآن فہمی کے لئے ان علوم لازمہ کی تفصیلات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ صرف ترجمہ دیکھ کر قرآن کے صحیح مطالب تک پہنچنا ناممکن ہے۔

۱۔الموافقات، ج:۳، ص:۳۵۵

سنت

سنت کے لغوی معنی ہیں ''مروجہ طریقہ'' اور اصطلاحی معنی یہ ہیں:

﴿ السنة تطلق علی قول الرسول و فعله و سکوته و علی أقوال الصحابة و أفعالهم ﴾ ۱

ترجمہ: حضور ﷺ کے قول و فعل اور سکوت کو سنت کہا جاتا ہے اور صحابہ کے اقوال و افعال کے لئے بھی سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن میں سنت کی بنیاد

مندرجہ ذیل آیتوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن کی طرح سنت بھی احکام کا ماخذ ہے۔

﴿ وَ اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ ۲

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا تا کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور تا کہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔

﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ۳

ا۔ نورالانوار: شیخ احمد ملا جیون، ص:۱۷۹، ط:غ، ت:غ، ن: یاسر ندیم اینڈ کمپنی

۲۔ القرآن الکریم، سورت:۱۶، آیت:۴۴

۳۔ القرآن الکریم، سورت:۴، آیت:۱۰۵

ترجمہ: اے محبوب بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری تا کہ اللہ کے سکھانے کے مطابق تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

سنت کے بارے میں صحابۂ کرام کا مسلک

اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل نقل کرتے ہوئے علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں:

﴿ كان أبوبكر إذا ورد عليه حكم نظر فى كتاب الله، فان وجدفيه ما يقضى به قضى به و إن لم يجد فى كتاب الله نظر فى سنة رسول الله ،فان وجد فيها ما يقضى به قضى به فإن أعياه ذلك سئل الناس هل علمتم أن رسول الله قضى فيه قضاء ،فربما قام إليه القوم قضى فيه بكذا بكذا، فربما قام إليه القوم قضى فيه بكذا بكذا ﴾ [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ اس کا حکم کتاب اللہ میں تلاش کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے اگر کتاب اللہ میں حکم نہیں ملتا تو احادیث میں تلاش کرتے اور اس کے مطابق حکم صادر فرماتے۔ اگر خود اپنی معلومات جواب دیدیتی تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس طرح کے مسئلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ آپ لوگوں کو معلوم ہو تو بتائیں۔ لوگ جیسا بتاتے اس کے مطابق عمل فرماتے۔

۱۔ الموافقات، ج:۴، ص:۳۴۴

سنت کی سند مل جانے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوتے اور فرماتے ہیں:

﴿ الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ علی سنن نبینا ﴾ ۱

ترجمہ: خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں، جن کے سینے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

﴿ سیاتی قوم یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوه بالسنن فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله ﴾ ۲

ترجمہ: تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کی آیات متشابہات کے مطالب کے سلسلے میں تم سے جھگڑا کریں گے، اس وقت تم حدیثوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا، اس لئے کہ حدیث سے جو لوگ باخبر ہیں وہی لوگ قرآن کو بہتر سمجھتے ہیں۔

سنت کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا مسلک

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لولا السنن ما فهم أحد مناالقرآن ﴾ ۳

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ: شیخ ولی اللہ محدث، ص: ۲۷۶، ت: غ، ط: غ، مط: غ، مکتبہ رحمانیہ لاہور

۲۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ: امام شعرانی ص: ۶۲، ت: ۱۲۷۹ ہجری، ط: غ، ن: الکستلیہ

۳۔ ن م ، ص: ۶۳

ترجمہ: حدیثوں کے بغیر قرآن کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔

یہ قول بھی انہی کی طرف منسوب ہے۔

﴿ لم تزل الناس فی صلاح مادام منهم من يطلب العلم بالحديث فإذا طبلوا العلم بلا حديث فسدوا . ﴾ [1]

ترجمہ: لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک علم کو حدیث کے ساتھ طلب کرتے رہیں گے۔ جب حدیثوں کو چھوڑ دیں گے تو لوگوں میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ان لفظوں میں نقل کیا گیا ہے:

﴿ أجمع الناس على أن من استبانت له سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن له أن يدعها بقول أحد من الناس ﴾ [2]

ترجمہ: اس بات پر لوگوں کا اجماع ہے کہ جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو اسے جائز نہیں ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول پر عمل کرے۔

حضرت امام مالک رضی للہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ میزان الشریعۃ الکبری، ص: ۶۴

۲۔ اعلام الموقعین عن رب العلمین: شیخ ابن قیم الجوزیہ، حققہ: محمد محی الدین عبدالحمین، ج:۲، ص: ۲۶۳، ت: غ، ط: غ، مط: غ، ن: دار الباز مکۃ المکرمۃ

﴿ ما وافق الكتاب و السنة فخذوه و كل ما لم يوافقه و السنة فاتركوه. ﴾ ١

ترجمہ: جو بات کتاب وسنت کے موافق ہو اسے قبول کرو اور جو موافق نہ ہو اسے چھوڑ دو۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے:

﴿ من رد حديث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فهو على شفا هلكة ﴾ ٢

ترجمہ: جس نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچ گیا۔

سنت کے افادات

آیات قرآنی کے مفاہیم و معانی کے تعین اور احکام کے استنباط میں احادیث کریمہ کے افادات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مجمل احکام کی تفصیل

(۲) مطلق حکم کی تقیید

(۳) مبہم معانی کی توضیح وتفسیر

۱۔ جامع اہل علم

۲۔ مناقب لامام احمد بن حنبل: شیخ محمد بن الجوزی، تحقیق: دکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ص:۲۴۹، ط:۲، ت:۱۹۸۸، مط،ن: ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان

احادیث کے ذریعہ آیات قرآنیہ کی تفسیر کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

الف: ﴿ لَمْ یَلْبَسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ.... ﴾[1] میں ظلم کی تفسیر شرک کے ساتھ کی گئی ہے۔[2]

ب: ﴿ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ.. ﴾[3] میں ''خیط ابیض'' یعنی سفید ڈورے کی تفسیر دن کی سفیدی اور'' خیط اسود ''یعنی سیاہ ڈورے کی تفسیر رات کی تاریکی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اگر حدیث رہنمائی نہ کرتی تو "خیط ابیض" اور "خیط اسود" سے قرآن کی کیامراد ہے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔[4]

۱۔ القرآن الکریم، سورت:۶، آیت:۸۲

۲۔ اس حوالے سے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔'' لما نزلت هذه الآية شق ذلک علی المسلیمن ، فقالوا: أینا لم یظلم نفسه ؟ قال: لیس ذلک ،إنما هذاالشرک'' یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمان بڑے پریشان ہوئے اور عرض کیا: ہم سے کون ہے جس سے ظلم سرزد نہیں ہوتا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ''شرک'' ہے۔ دیکھئے! ترمذی: امام محمد ترمذی، ج:۲، ص:۵۷۷، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: جمعیۃ المرکز الاسلامی

۳۔ القرآن الکریم، سورت:۲، آیت:۱۸۷

۴۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔'' عن عدی حاتم قال: قلت یا رسول الله ! ما الخیط الأبیض من الخیط الأسود ، أهما الخیطان.... ، ثم قال: لا بل هو سواد اللیل وبیاض النهار ''یعنی عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! سفید ڈورا اور سیاہ ڈورا کیا ہیں؟ کیا ان سے دو دھاگے مراد ہیں؟..... پھر فرمایا: نہیں بلکہ ان سے رات کی تاریکی اور دن کا اجالا مراد ہے۔ دیکھئے! بخاری: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، ج:۲، ص:۷۲۳، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: فرید بک ڈپو دہلی

ج: ﴿ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾[1] میں "شجر طیب" کی تفسیر حدیث میں کھجور کے درخت سے کی گئی ہے۔ اگر حدیث معاونت نہ کرتی تو شجر طیب سے قرآن کی کیا مراد ہے یہ سمجھنا مشکل تھا۔[2]

د: ﴿ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾[3] میں "زیادت" کی تفسیر حدیث میں دیدار الٰہی سے کی گئی ہے۔ اگر حدیث نے عقدہ کشائی نہ کی ہوتی تو زیادت سے قرآن کی کیا مراد ہے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔[4]

۱۔ قرآن الحکیم، سورت:۱۴، آیت:۲۴

۲۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا عند رسول الله فقال: أخبروني بشجرة تشبه أو كالرجل المسلم لا يتحات ورقها ولا ولا ولا، تؤتي أكلها كل حين ......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هي النخلة" یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے پوچھا ایسا درخت و بتاؤ جو مسلم مرد کی طرح ہو، جس کے پتے نہ گریں اور ہمیشہ پھل دیتا ہو... آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ دیکھئے! بخاری، ج:۲، ص:۸۲۱

۳۔ القرآن الحکیم، سورت:۱۰، آیت:۲۶

۴۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "...عن صهيب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا دخل أهل الجنة الجنة ....فيكشف الحجاب فما أعطوا شيئا أحب إليهم من النظر إلى ربهم" یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے ......تو حجاب کھول دیا جائے گا، تو اللہ نے اپنی طرف دیکھنے سے زیادہ کوئی محبوب چیز ان کو نہیں دی۔ دیکھئے! مسلم: امام مسلم بن حجاج، ج:۱، ص:۱۸۷، ط:۷، ت:۱۹۹۷ء، مط: رومی پبلی کیشنز، ن: فرید بک سٹال

ہ: قرآن میں ''اِدبار النجوم''[1] اور ''اَدبار السجود''[2] کے الفاظ آئے ہیں حدیث میں کہا گیا ہے کہ ''ادبار النجوم'' سے قبل فجر کی دو رکعتیں اور ''ادبار السجود'' سے بعد مغرب کی دو رکعتیں مراد ہیں۔[3]

و: حدیث میں ''یسبح الرعد بحمده''[4] کی تفسیر میں کہا گیا کہ 'رعد' سے مراد ایک فرشتہ ہے جو ابر پر مقرر کیا گیا ہے وہ خدا کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔[5]

۱۔ القرآن الکریم، سورت: ۵۲، آیت: ۴۹

۲۔ القرآن الکریم، سورت: ۵۰، آیت: ۴۰

۳۔ اس حوالے سے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔'' عن ابن عباس قال: بت ليلة عند النبي صلى الله عليه وسلم فصلى ركعتين قبل الفجر ثم خرج إلى الصلاة فقال: ياابن عباس ! ركعتان قبل الفجر إدبار النجوم وركعتان بعد المغرب أدبار السجود ''یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری تو آپ نے فجر سے پہلے دو رکعت ادا کی اور فرمایا: اے ابن عباس! فجر سے پہلے دو رکعت ادبار النجوم اور مغرب کے بعد دو رکعت ادبار السجود ہے۔ دیکھئے! تفسیر ابن کثیر: شیخ عماد الدین، ج: ۴، ص: ۳۹۶، ت: غ، ط: غ، ن: ادبی دنیا دہلی

۴۔ القرآن الکریم، سورت: ۱۳، آیت: ۱۳

۵۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں'' عن ابن عباس قال : اقبلت يهود الى النبى صلى الله عليه وسلم فقالوا: ياابا القاسم ! اخبرنا عن الرعد ما هو؟ قال: ملك من الملئكة مؤكل بالسحاب .... ''یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: حضرت قاسم کے والد! ہمیں بتائیے کہ رعد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو ابر پر مقرر ہے۔ دیکھئے! ترمذی، رقم: ۳۱۱۷، انٹرنیٹ ایڈیشن

اتباع صحابہ پر قرآن سے استدلال

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کے ساتھ صحابہ کرام کا اتباع بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ اتباع صحابہ کے سلسلے میں قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

﴿ وَ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ [1]

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وجوہ اتباع پر روشنی ڈالتے ہوئے صاحب توضیح وتلویح ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لأن أكثر أقوالهم مسموع بحضرة الرسالة فرأيهم أصوب لانهم شاهدوا موارد النصوص. ﴾ [2]

۱۔ القرآن الکریم، سورت: ۹، آیت: ۱۰۰

۲۔ توضیح وتلویح

ترجمہ: اس لئے کہ ان کے اکثر اقوال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے ہوئے ہیں لہذا ان کی رائے اصوب ہے اور اس لئے بھی کہ انہوں نے آیات قرآنی کے محل نزول کا مشاہدہ کیا ہے۔

قرآن کریم کے بعد احکام شریعت کا دوسرا سرچشمہ سنت ہے۔ اس کا ایک اجمالی تعارف پچھلے اوراق میں آپ کی نظر سے گذر چکا۔ اب احکام کے تیسرے سرچشمہ اجماع پر ذیل میں مختصر نوٹ ملاحظہ فرمائیں:

اجماع

لغت میں اجماع کے معنی ہیں ''عزم و اتفاق'' چنانچہ قرآن کی اس آیت کریمہ میں یہی معنی مراد ہیں۔

﴿ فَاَجۡمِعُوۡا اَمۡرَکُمۡ وَ شُرَکَآءَ کُمۡ. ﴾ ۱

لیکن اجماع کے اصطلاحی معنی جو اصول فقہ کی عام کتابوں میں شائع ہے یہ ہیں:

﴿ هو اتفاق أهل المجتهدين من أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على حكم شرعى فى عصر غير عصر رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴾ ۲

ترجمہ: اجماع کہتے ہیں عصر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت محمدی کے مجتہدین کا کسی مسئلے پر متفق ہو جانے کو۔

۱۔ القرآن الکریم، سورت: ۱۰، آیت: ۷۱

۲۔ توضیح وتلویح، ص: ۴۹

کتاب وسنت کے بعد اجماع کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے صاحب تلویح ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ و لاشک أن الأحكام التی تثبت بصريح الوحی بالنسبة إلى الحوادث قليلة غاية القلة فلو لم تعلم أحكام تلك الحوادث من الوحی الصريح و بقيت أحكامها مهملة لايكون الدين كاملا فلابد من أن يكون للمجتهدين ولاية استنباط أحكامها. ﴾ ۱

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ احکام جو وحی صریح سے ثابت ہیں، وہ پیش آنے والے نئے نئے مسائل کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ اگر وحی صریح کے ذریعہ ان مسائل کے احکام معلوم نہ کئے جائیں تو ان کا اہمال لازم آجائے گا اور دین میں نقصان پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مجتہدین کو ان مسائل کے احکام کے استنباط کا حق دیا جائے۔

قرآن میں اجماع کی بنیاد

اب ذیل میں وہ آیتیں ملاحظہ فرمایئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع امت کو بھی دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہے اور حرمت وجوب اور حسن وقبح کے احکام اس سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ توضیح تلویح، ص:۴۹

۱۔ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ ۱

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول کی اور تم میں جو صاحب امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

۲۔ ﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾ ۲

ترجمہ: اور جو رسول کے خلاف کرے اس کے بعد کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا دوسری راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔

۳۔ ﴿ .... وَ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ۳

ترجمہ: ... اور معاملات میں ان سے مشورہ لو اور جب کسی بات کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

۴۔ ﴿ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ ۴

ترجمہ: اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورہ سے ہے۔

۱۔ القرآن الکریم، سورت: ۴، آیت: ۵۹

۲۔ القرآن الکریم، سورت: ۴، آیت: ۱۱۵

۳۔ القرآن الکریم، سورت: ۳، آیت: ۱۵۹

۴۔ القرآن الکریم، سورت: ۴۲، آیت: ۳۸

توضیحات

پہلی آیت میں '' اولی الامر '' سے مراد علمائے امت ہوں یا اصحاب حل وعقد، بہرحال ان کا فیصلہ مسلمانوں کے لئے واجب الاطاعت ہے۔ قرآن کی رو سے ان کی اطاعت کا وجوب ہی اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ احکام شریعت میں امت کے ارباب حل وعقد کا اجماعی فیصلہ بھی مؤثر ہے۔

دوسری آیت میں '' سبیل المؤمنین '' سے مراد امت کا تعامل ہے اور یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ امت کا تعامل بھی عملاً '' اجماع '' ہی کی ایک شکل ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے لئے امت کے تعامل کی پیروی اس درجہ ضروری ہے کہ انحراف کی صورت میں عذاب جہنم کی وعید بھی ہے اور ضلالت عمل کی توثیق بھی۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں امت کے ارباب حل وعقد سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اور باہمی مشاورت کو ایک دستور العمل کی حیثیت سے اسلامی نظام حیات میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اگر امت کے ارباب حل وعقد کی رائے کسی امر کے فیصلے میں مؤثر نہ ہوتی تو مشاورت کا حکم ہی کیوں دیا جاتا۔

نتیجہ کے طور پر مذکورہ بالا آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اجماع امت بھی دلیل شرعی کی حیثیت سے اسلام میں واجب التسلیم ہے۔

اجماع امت حدیث کی روشنی میں

اجماع امت کا دلیل شرعی کی حیثیت سے قابل قبول ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے۔ ذیل میں پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ ﴿ إن الله لايجمع أمتي أوقال أمة محمدعلى ضلالة... ﴾ [1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمدی کو گمراہی پر مجتمع نہیں فرمائے گا۔

اجماع امت کے سلسلے میں ایک شبہ وارد کیا جا سکتا ہے کہ امت کے ارباب حل وعقد اگر کسی گمراہی پر متفق ہو جائیں تو کیا اس اجماع کے ذریعہ اس گمراہی کو بھی سند جواز مل سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر کہ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہوگی، ہمیشہ کے لئے اس شبہ کا سد باب کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی اس غیبی قوت ادراک کا مظہر ہے جو خدائے قدیر وعلیم نے انہیں مستقبل کے احوال دریافت کرنے کے بارے میں عطا فرمائے ہیں:

۲۔ ﴿ ما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن. ﴾ [2]

ترجمہ: جس چیز کو جمہور مسلمین اچھا سمجھیں وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

ا۔ مشکوۃ المصابیح: امام ولی الدین محمد بن عبد الخطیب ، ج:۱، ص:۵۸، ت:غ، ط:غ، مط:غ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

۲۔ مسند احمد حنبل: امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر:۳۶۶۷، انٹرنیٹ ایڈیشن

اس حدیث پاک کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نکتے کو واضح فرمادیا کہ جمہور مسلمین کا کسی چیز کو اچھا سمجھنے کی بنیاد پر اسلام میں وہ چیز صرف اس لئے اچھی سمجھی جاتی ہے کہ خدا کے نزدیک بھی وہ اچھی ہے۔

اجماع کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت

اجماع امت کے سلسلے میں یہ سوال وضاحت طلب ہے کہ کن لوگوں کے اجماع کو دلیل شرعی کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا۔ حصول المأمول کے منصف اس سوال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ لا اعتبار بقول العوام فی الإجماع لا وفاقا و لا خلافا عند الجمهور، لأنهم ليسوا من أهل النظر فی الشرعيات و لا يفهمون الحجة و لا يعقلون البرهان.﴾ [1]

ترجمہ: اجماع کے سلسلے میں عوام کالانعام کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نہ موافقت میں اور نہ مخالفت میں۔ اس لئے کہ شرعی مسائل میں انہیں کوئی دسترس حاصل نہیں ہے۔ نہ وہ حجت شرعی سے واقف ہیں اور نہ برہان کو سمجھتے ہیں۔

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ کسی مسئلے پر ناخواندہ عوام کا اتفاق ''اجماع امت'' نہیں کہلائے گا اور نہ اسے دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اجماع کی یہ بنیادی شرط

۱۔ حصول المأمول من علم الاصول: نواب صدیق حسن خان قنوجی، ص:۱۷، ط:۱، ت: ۱۹۷۲ء، مط: مطبعۃ الجامعۃ السلفیہ، ن: جامعہ سلفیہ بنارس

اگر نظر انداز کر دی جائے تو بہت سی وہ ناجائز رسوم و بدعات جو ناخواندہ عوام میں مقبول ورائج ہیں ''اجماع مسلمین'' کے نام پر سند جواز حاصل کر لیں گی۔ یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ''تعامل مسلمین'' کو جو ایک شرعی حیثیت حاصل ہے اس سے ناخواندہ عوام کا تعامل نہیں مراد ہے بلکہ مسلمانوں کا وہ تعامل مراد ہے جس پر امت کے ارباب حل وعقد نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہو۔

قیاس

قیاس کے لغوی معنی ہیں۔ اندازہ کرنا۔ دو چیزوں میں مطابقت پیدا کرنا۔ اور اصطلاح فقہ میں قیاس کے معنی ہیں '' علت کو مدار بنا کر سابقہ نظائر کی روشنی میں نئے مسائل کا حل کرنا' نور الانوار میں قیاس کی ایک اصطلاحی تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔

﴿ تقدیر الفرع بالأصل فی الحکم و العلة ﴾ [1]

قیاس کی ایک اصطلاحی تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔

﴿إلحاق أمر بأمر فی الحکم الشرعی لا تحاد بینهما فی العلة.﴾ [2]

قرآن حکیم میں قیاس کی بنیاد

فقہ کے اصولوں میں سے چوتھی اصل قیاس ہے۔ قیاس بھی دلیل شرعی کی حیثیت سے مسلمہ ائمہ اسلام ہے اور اس کی بنیادیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

ا۔ نورالانوار، ص:۲۲۸

۲۔

قرآن کریم کی مندرجۂ ذیل آیتیں قیاس کی مشروعیت پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ ﴿ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰاُولِی الۡاَبۡصَار ﴾ ۱

ترجمہ: تو اے نگاہ والو عبرت لو۔

توضیح تلویح میں اعتبار کے معنی یہی بیان کئے گئے ہیں۔

﴿ معنى الاعتبار رد الشئ إلى نظيره أى الحكم على الشئ بما هو ثابت لنظيره ﴾ ۲

ترجمہ: اعتبار کے معنی ہیں "شئ کو اس کی نظیر کی طرف پھیر دینا" یعنی کسی شئ پر وہی حکم لگانا جو اس کی نظیر کے لئے ثابت ہے۔

۲۔ ﴿ فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡہُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّہُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَ لِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ... ﴾ ۳

ترجمہ: پس ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آتی جو دین میں تفقہ حاصل کرتی اور اپنی قوم کو واپس آکر ڈراتی۔

اس آیت کریمہ میں "تفقه فی الدین" کے لفظ سے قیاس کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ کیونکہ دین میں تفقہ کے معنی ہی غیر منصوص مسائل میں احکام کے استخراج و استنباط کے ہیں اور یہ عمل قیاس کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔

۱۔القرآن الکریم، سورت:۵۹، آیت:۲

۲۔توضیح تلویح، ص:۵۴

۳۔القرآن الکریم، سورت:۹، آیت:۱۲۲

حدیث میں قیاس کی بنیاد

صحاح کی کتابوں میں یہ حدیث شائع وذائع ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے دریافت فرمایا۔

﴿ کیف تقضی یا معاذ إذا عرض لک قضاء ، قال: بکتاب الله، قال: فان لم تجد فی کتاب الله تعالی ، قال: بسنة رسول الله صلی الله علی وسلم ، قال:فإن لم تجد فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ، قال: أجتهد برائی ، قال علیه السلام: الحمد لله الذی وفق رسول رسوله بما یرضی به رسوله ﴾ ا

ترجمہ: کس چیز سے تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو گے۔عرض کیا قرآن کریم سے۔فرمایا اگر قرآن میں حکم نہ ملے تو۔عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اس کا حکم تلاش کروں گا اور اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔فرمایا اگر حدیث رسول میں بھی حکم نہ ملے تو۔عرض کیا قیاس کے ذریعہ حکم کا استخراج کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضور نے ارشاد فرمایا:

ا۔ مشکوۃ المصابیح، ج:۲، ص:۲۰۴

شکر ہے خدا کا جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اپنے رسول کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

اسی طرح کا سوال حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی فرمایا تھا جب کہ قاضی بنا کر انہیں یمن بھیج رہے تھے۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا تھا۔

﴿ إذا لم نجد الحكم فى السنة نقيس الأمر بالأمر ، فما كان أقرب إلى الحق نعمل به، فقال عليه السلام: أصبتما ﴾ [1]

ترجمہ: جب ہم کسی مسئلہ کا صریح حکم حدیث میں نہیں پائیں گے تو ایک امر کا قیاس دوسرے امر پر کریں گے تو ہماری نظر میں جو بات حق سے قریب تر ہوگی اس پر عمل کریں گے۔ یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توثیق فرمائی۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح طور پر مندرجہ ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں:

پہلا نکتہ تو احکام کے مآخذ کی ترتیب کا ہے کہ احکام کی تخریج میں سب سے پہلا مآخذ قرآن ہے۔ اس کے بعد سنت کا درجہ ہے۔ قیاس کا مرحلہ بالکل آخری ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قیاس کے ذریعہ اجتہاد میں اپنی رائے کا دخل ضروری ہے۔ اور یہ اسلام میں مذموم نہیں ہے ورنہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اپنی خوشنودی کا اظہار نہ فرماتے۔ یہیں سے ان لوگوں

۱۔ توضیح وتلویح، ج:۲، ص:۳۵۹

کا اعتراض باطل ہو گیا جو ائمۂ احناف کو اصحاب رائے کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں نہایت صراحت کے ساتھ قیاس کا ذکر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توثیق فرما کر قیاس کو بھی دلیل شرعی کا مقام عطا فرمایا ہے۔

چند اصول فقہ

ائمۂ احناف نے کتاب وسنت اور اجماع امت کے فقہی احکام، شرعی قوانین اور مجموعۂ قضایا وفتاویٰ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی روشنی میں کچھ فقہی اصول منضبط کئے ہیں، جنہیں وہ ضوابط کلیہ کے طور پر احکام کی تخریج میں استعمال کرتے ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الاشباہ و النظائر" اور "شرح کتاب السیر الکبیر" سے نمونے کے طور پر چند اصول ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ اس کتاب کے قارئین کرام ائمۂ احناف کی قانونی بصیرتوں، فکر ونظر کی وسعتوں اور تمدن و معاشرت اور انسانوں کے طبعی حالات وضروریات پر ان کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱) المشقة تجلب التیسیر — مشقت آسانی کو چاہتی ہے۔

(۲) الضرورات تبیح المحظورات — ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں

(۳) ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها.
جو چیز ضرورۃ مباح ہو وہ ضرورت ہی کی حد تک مباح رہے گی۔ یعنی ضرورت کے دائرہ سے باہر اسے مباح نہیں سمجھا جائے گا۔

(۴) ما جاز بعذر بطل بزواله.
جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دی جائے، عذر ختم ہو جانے کے بعد اس کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

(۵) الضرر لايزال بالضرر.
ضرر کا ازالہ ضرر کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا۔

(۶) يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام
ضرر عام کے دفع کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا۔

(۷) أعظم ضرر يزال بالأخف
زیادہ ضرر والی چیز کم ضرر والی چیز کے ذریعہ زائل کی جائے گی۔

(۸) من ابتلى ببليتين و هما متساويان يأخذ بايتهما شاء و إن اختلفا يختار أهونهما.
جو کسی ایسی دو بلاؤں میں گھر جائے جو قباحت کے لحاظ سے مساوی ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرلے۔ اور اگر ایک میں قباحت کم ہے دوسرے میں زیادہ تو کم والی کو اختیار کرے۔

(۹) درء المفاسد أولى من جلب المصالح	حصول نفع کے مقابلہ میں نقصان سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔
(۱۰) إذا تعارض المانع و المقتضى يقدم المانع.	جب مقتضی اور مانع کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو مانع کو ترجیح دی جائے گی۔
(۱۱) إذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام.	جب کسی مسئلے میں حلال وحرام دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔
(۱۲) تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة	عوام کے مسائل و حقوق میں سلطان وقت کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہوں گے۔
(۱۳) الولاية الخاصة أقوى من الولاية العامة	ولایت خاصہ ولایت عامہ کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہوگی۔
(۱۴) الأمور بمقاصدها	امور اپنے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔
(۱۵) اليقين لايزول بالشك.	یقین شک سے نہیں زائل ہوگا۔
(۱۶) ماثبت بيقين لا يرتفع إلا باليقين.	جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی کے ذریعہ مرتفع ہوگی۔
(۱۷) الأصل العدم	نہ ہونا یہی اصل ہے۔ نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق ان اوصاف سے ہے جو کسی کو عارض ہوتے ہیں۔

(۱۸) الأصل الوجود — ہونا ہی اصل ہے۔
نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق کسی چیز کی صفات اصلیہ سے ہے۔

(۱۹) الحدود تندری بالشبهات — شبہات حدود کے نفاذ سے مانع ہوتے ہیں۔

(۲۰) التعزير يثبت بالشبهة — شبہ بھی تعزیر کے لئے کافی ہے۔
نوٹ: شبہ کہتے ہیں جو ثابت نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو جیسا کہ شبہ کی یہ تعریف کی گئی ہے۔
(الشبهة ما يشبه بالثابت و ليس بثابت.)

(۲۱) ما حرم أخذه حرم إعطائه — جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

(۲۲) ما حرم فعله حرم طلبه — جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

(۲۳) لاعبرة بالظن البين خطأه — اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کا غلط ہونا ظاہر ہو۔

(۲۴) ذكر بعض مالا يتجزى كذكر كله — کسی ایسے ٹکڑے کا ذکر جو کل سے الگ نہ کیا جا سکے کل ذکر کی طرح ہے۔

(۲۵) اذا اجتمع المباشر و المسبب أضيف الحكم إلى المباشر.	جب کسی کام کے مرتکب اور مسبب دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کا تعلق مرتکب کے ساتھ ہوگا۔
(۲۶) إعمال الكلام أولى من اهماله.	کسی کلام کو بامعنی بنانا اسے مہمل بنانے سے بہتر ہے۔
(۲۷) التابع تابع	وجود میں تابع حکم میں بھی تابع ہوتا ہے۔
(۲۸) التابع يسقط بسقوط المتبوع.	متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ہے۔
(۲۹)يسقط الفرع إذا أسقط الأصل	اصل جب ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے۔
(۳۰)الحرب خدعة	جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھنے کا نام ہے۔
(۳۱) الثابت بالعرف كالثابت بالنص	عرف کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو اس کا نفاذ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی چیز نص کے ذریعہ ثابت ہو۔
(۳۲) العادة تجعل حكما إذا لم يوجد التصريح بخلافه	عادت وعرف پر وہاں حکم لگایا جائے جہاں نص صریح اس کے مخالف نہ ہو۔

(۳۳) البناء على الظاهر واجب ما لم يتبين خلافه.
ظاہر پر حکم کی بنیاد رکھنا واجب ہے جب تک اس کے خلاف ثبوت نہ ہو۔

(۳۴) مجرد الخبر لايصلح حجة
خبر محض حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

(۳۵) الثابت بالبينة كالثابت بالمعاينه
شہادت سے ثابت شدہ امر مشاہدہ سے ثابت شدہ امر کی طرح ہے۔

(۳۶) المعلق بالشرط يثبت بوجود الشرط.
کسی شرط پر معلق چیز اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ شرط پائی جائے

(۳۷) المعلق با لشرط معدوم قبل الشرط
جو کسی شرط پر معلق ہو وہ شرط کے وجود سے پہلے معدوم سمجھی جائے گی

(۳۸) يسقط اعتبار دلالة الحال إذا جاء التصريح بخلافها
دلالت حال کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جب کہ اس کا مخالف پہلو صراحت کے ساتھ ثابت ہو جائے

(۳۹) يجب العمل بالمجاز إذا تعذر العمل بالحقيقة
مجاز پر عمل واجب ہے جب کہ حقیقت پر عمل متعذر ہو جائے۔

(۴۰) الكتاب إلى من نای كالخطاب بمن دنی.
دور والے کے نام خط حکم کے لحاظ سے بالکل ایسے ہی ہے جیسے سامنے والے سے خطاب۔

(۴۱) الولد يتبع خير الأبوين دينا.	بچہ اپنے ماں باپ میں سے اسی کے تابع قرار دیا جائے گا جو دین کے اعتبار سے دونوں میں بہتر ہو۔
(۴۲) من فی دار الحرب فی حق من فی دار السلام كالميت.	دار الحرب میں رہنے والا اس شخص کے حق میں جو دار الاسلام میں رہتا ہے میت کی طرح ہے۔
(۴۳) مال المسلمين لا يصير غنيمة للمسلمين بحال.	مسلمانوں کا مال مسلمانوں کے لئے کسی حال میں بھی مال غنیمت نہیں ہوسکتا۔
(۴۴)شرط صحة الصدقة التمليك	صدقۂ واجبہ کے صحیح ہونے کی شرط مالک بنانا ہے۔
(۴۵) التبرع فی المرض وصية	مرض الموت میں احسان وحسن سلوک وصیت کے حکم میں ہے۔
(۴٦) خير الأمور أوسطها	ہر چیز میں بہتر وہی ہے جو درمیانی ہو۔
(۴۷) السكران فی الحكم كالصاحی	نشے میں مدہوش حکم کے اعتبار سے باہوش کی طرح ہے۔
(۴۸) عند اجتماع الحقوق يبدأ بالأهم.	مختلف حقوق کے اجتماع کے وقت سب سے اہم حق کو اولیت دی جائے گی۔
(۴۹)لایجوز ترک الواجب للاستحباب.	کسی مستحب کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں ہے۔

(۵۰) الاجتهاد لا يعارض النص۔ ۱ اجتہادنص کے معارض نہیں ہوسکتا (یعنی حکم منصوص کے خلاف کوئی اجتہاد قابل قبول نہیں)

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے لئے زمین کے حصول کے سلسلے میں شب و روز کی مصروفیات کے باعث وقت نہیں مل رہا ہے کہ اس مضمون کو مزید پھیلاؤں، ورنہ ارادہ یہ تھا کہ مختلف فقہی مذاہب کے ساتھ فقہ حنفی کا ایک تقابلی مطالعہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتا اور ثابت کرتا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے دلائل سے مسلح ہونے کے ساتھ ساتھ فطرت انسانی اور عقل وحکمت کے تقاضوں سے کس درجہ ہم آہنگ ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عجم کو اسلام کا گرویدہ بنانے میں جو گراں قدر خدمت فقہ حنفی نے انجام دی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم سنی حنفی مسلک پر ہمیں ہمیشہ قائم رکھے اور اس کی برکتوں سے دونوں جہاں میں سرخروفرمائے۔آمین

آمدہ بودیم از دریا بہ موج باز از موجے بدریا می رویم

ارشد القادری

مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی - ۱۳

۲۷/ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ ۲۵/اگست ۱۹۸۴ء

۱۔ گذشتہ تمام فقہی قواعد کے لیے دیکھئے!

الاشباہ والنظائر: شیخ ابن نجیم، ت: ۱۴۰۶ ہجری، ط: غ، مط: محبوب پریس دیوبند

شرح السیر الکبیر: شیخ محمد بن الحسن الشیبانی، ت: ۱۹۵۸ء، ط: غ، مط: غ،

جہاد اسلامی
کی
شرعی حیثیت

وَقَاتِلُوْا

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ

وَلَاتَعْتَدُوْا

(البقرہ، آیت: ۱۹۰)

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے مت بڑھو

جہاد کیوں اور کس لئے؟

اس سوال کا جواب مشکل بھی ہے اور آسان بھی، مشکل اس لئے ہے کہ آج کی دنیا جنگ کے صرف ایک ہی مقصد سے آشنا ہے اور وہ ہے ملک گیری اور جہانبانی۔ اسلام کے جہاد میں مقصدیت کے اعتبار سے چونکہ ملک گیری اور جہانبانی کا کوئی تصور نہیں ہے، اس لئے آج کی دنیا کو جہاد کا پاکیزہ مفہوم سمجھانا بہت مشکل ہے۔ اسلام کا مجاہد کسی بادشاہ کے مادی اور شخصی اقتدار کے لئے نہیں لڑتا بلکہ وہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی سربلندی اور آخرت کی فیروزمندی کے لئے لڑتا ہے۔ اس لئے وہ دشمن کو قتل کرے جب بھی اور خود قتل ہو جائے جب بھی، دونوں حالتوں میں سرفرازی اور فائز المرامی اس کا مقدر ہے...... غازی بننا بھی موجب اجر و ثواب ہے اور شہید ہو جانا بھی بلندئ درجات کی ضمانت ہے۔

اور آسان اس لئے ہے کہ جہاد کا لفظ اپنے نام اور مقصد کے اعتبار سے اگرچہ بالکل نیا ہے، لیکن جہاں تک زمین پر انسانوں کے خون کے بہنے اور بہانے کا تعلق ہے تو یہ چیز اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود انسان پرانا ہے۔

دنیا میں وہ کون سا ملک ہے اور وہ کون سی قوم ہے، جہاں لڑائیاں نہیں لڑی گئیں، جہاں دو فوجوں کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوا اور جہاں میدان جنگ کی سرزمین دو گروہوں کے خون سے سرخ نہیں ہوئی۔

فرق جو کچھ ہے وہ صرف مقصد اور طریقۂ جنگ کا ہے، کہیں عورت کے لئے جنگ لڑی گئی اور کہیں دولت کے لئے، کہیں ملک گیری اور مال غنیمت کے لئے جنگ لڑی گئی اور کہیں قومیت، وطنیت اور قبائلیت کی عصبیت کا جذبہ دو گروہوں کو میدان جنگ تک لے گیا۔

لیکن دنیا کی تاریخ میں صرف اسلام ہی وہ پاکیزہ اور عادلانہ نظام زندگی ہے، جس کے مجاہدین نہ عورت کے لئے لڑے اور نہ دولت کے لئے، نہ ملک گیری کے لئے لڑے اور نہ مال غنیمت کے لئے، نہ قومیت، وطنیت اور رنگ و نسل کی عصبیت ہی انہیں میدان جنگ کی طرف لے گئی، بلکہ ان کی لڑائی خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی حاکمیت کے لئے تھی، انسانوں پر انسانوں کی بالادستی کے خاتمہ کے لئے تھی، مظلوم انسانوں کو ضمیر کی آزادی دلانے اور انہیں تخلیق کے اعلیٰ مقاصد سے ہمکنار کرنے کے لئے تھی۔

اتنی تمہید کے بعد اب قرآن و حدیث کی روشنی میں جہاد کا پاکیزہ مقصد، اس کی

روح اور اس کے فضائل و مکارم کی وہ تفصیل پڑھیئے اور سر دھنیئے! جس نے عرب کے مردوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو دنیا کی سب سے بہادر، غیور اور سرفروش قوم بنادیا۔

جہاد قرآن کی روشنی میں

پہلی آیت:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَاتَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ [1]

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے مت بڑھو کیونکہ حد سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا"

تشریح: ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو لڑنے کی ممانعت تھی اور اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی پر صبر کریں۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار و مشرکین سے لڑائی کی اجازت میں جو سب سے پہلی آیت کریمہ نازل ہوئی، وہ یہی آیت مبارکہ تھی۔

اب ذرا خالی الذہن ہو کر آپ آیت کریمہ کے مضمون پر غور فرمائیں تو حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائیگی کہ لڑائی میں پہل مسلمانوں کی طرف سے

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ:۲، آیت:۱۹۰

نہیں ہوئی بلکہ کافروں کی طرف سے ہوئی تھی.........ان کے ظلم وفساد کی جڑ کاٹنے اور ان کے کفر کی سرکشی کا زور توڑنے کے لئے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دی گئی۔

جہاد کو بنیاد بنا کر جو لوگ اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے، انھیں اس آیت کے مضمون پر انصاف کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ ہجرت سے پہلے تو مسلمانوں کو لڑنے کی مطلق اجازت ہی نہیں تھی۔ مکہ میں مسلمانوں کا اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی کیا تھا کہ وہ کافروں کے ہاتھوں سے مار کھاتے رہیں، زخم پر زخم سہتے رہیں، قتل ہوتے رہیں اور صبر کرتے رہیں۔ جب کافروں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو مسلمانوں کو بھی تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اسلام اگر تلوار کی طاقت سے پھیلا تو بتایا جائے کہ وہ سینکڑوں مسلمان جو عین مظلومی کی حالت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے تھے، انھوں نے کس کی تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا؟ اس وقت تلوار تو کفار مکہ کے ہاتھ میں تھی مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار ہی کہاں تھی کہ تلوار کے خوف سے کوئی اسلام قبول کرتا۔ اس لئے تاریخ کا یہ فیصلہ سب کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی حقانیت، اپنی پاکیزہ تعلیمات، اپنے اصولوں کی برتری، اپنے پیغمبر کی روحانی اور اخلاقی قوت اور قرآن کی معجزانہ آیات کی کشش سے پھیلا۔ جہاد کا حکم تو اس لئے دیا گیا تھا کہ کلمۂ حق کے راستے میں کافروں نے جو رکاوٹیں کھڑی کی تھیں، انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے تا کہ دل ودماغ کی پوری آزادی کے ساتھ لوگوں کو دعوت توحید کی

سچائی کو پرکھنے اور قبول کرنے کا موقع میسر آئے۔

پھر اس آیت کریمہ میں ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ اگر اسلام قتل و غارتگری کا مذہب ہوتا جیسا کہ مخالفین اسلام کی طرف سے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے تو مسلمانوں کو یہ ہدایت کبھی نہیں دی جاتی کہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے وقت اپنی طرف سے کوئی زیادتی مت کرنا کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے، اس آیت کی روشنی میں یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ میدان جنگ میں بھی مسلمان ضابطۂ اخلاق کا پابند ہے۔

دوسری آیت:

﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [1]

ترجمہ: ''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ (کفر کی سرکشی کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور ایک اللہ کی پرستش ہونے لگے، پھر اگر وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں تو ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے، البتہ ظلم کریں تو اس کی سزا ضرور دی جائے۔''

تشریح: آیت کا مضمون واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ اسلام میں جہاد و قتال کا مقصد ملک گیری اور مال غنیمت نہیں ہے، بلکہ ان دیواروں کو منہدم کرنا

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ:۲ ، آیت:۱۹۳

ہے جو دین حق کے قبول کرنے کے راستے میں کافروں نے کھڑی کی ہیں۔ نہ خود وہ خدا کا دین قبول کرتے ہیں نہ کسی دوسرے کو قبول کرنے دیتے ہیں انسانوں کے ضمیر کی آزادی کا حق اس طرح انہوں نے چھین لیا ہے کہ جو لوگ چھپ چھپا کر بھی خدا کا دین قبول کر لیتے ہیں وہ انہیں بھی چین سے رہنے نہیں دیتے۔ صرف اس جرم میں ان کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ضمیر کا فیصلہ کیوں قبول کیا۔

اب اہل انصاف ہی بتائیں کہ اس ظلم و بربریت کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ جہاد کے ذریعہ ظلم کرنے والی طاقتوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ اس قابل ہی نہ رہ جائیں کہ انسانی معاشرے کو اپنے ظلم و سرکشی کا نشانہ بنا سکیں اور ان کے ضمیر کی آزادی کا حق چھین کر انہیں اپنی مرضی کا غلام بنا لیں۔

تیسری آیت:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئاً وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ أَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ﴾ [1]

ترجمہ: ''خدا کی راہ میں لڑنا تم پر فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور

1۔ القرآن الکریم، سورۃ:۲، آیت:۲۱۶

قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو کیونکہ حقیقت کا علم اللہ کو ہے تمہیں نہیں ہے''۔

تشریح: اسلام میں بیشتر عبادتیں ایسی ہیں جن کا تعلق جسم اور مال کی قربانی سے ہے، لیکن جس عبادت میں جان کی قربانی دینی پڑتی ہے، وہ صرف جہاد ہے۔ یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ ساری آرزوؤں اور تمناؤں کا محور تو آدمی کی زندگی ہی ہے۔ زندگی کے لئے ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے، لیکن خود زندگی کی قربانی انسان کے لئے جتنی مشکل چیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ لیکن قربان جایئے قرآن کے اس انداز بیان پر کہ اس مشکل کو کتنی آسانی سے اس نے حل کر دیا ہے۔

انسان کی اسی سرشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ جہاد کا حکم یقیناً تمہیں ناگوار ہوگا کہ اس میں جان کی قربانی کا سوال ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو چیز تمہیں بری لگتی ہے، ہوسکتا ہے انجام کے اعتبار سے وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور جو چیز تمہیں اچھی لگتی ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ تمہارے حق میں بری ہو کیونکہ ہر چیز کا انجام اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

جہاد سے جی چرا کر اگر کچھ دنوں کے لئے تم زندہ بھی رہے تو اس کے دردناک انجام کی تمہیں کیا خبر! اس کا علم اللہ کو ہے، لیکن اگر تم نے خوشی خوشی اللہ کی راہ میں اپنی جان دیدی تو اس کے بدلہ میں اللہ تمہیں ایسی نعمت عطا کریگا کہ ہزاروں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔ مرنے کا ایک وقت تو بہرحال مقرر ہے۔ بستر مرگ پر مرو یا میدان جنگ میں، جب ایک دن مرنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ ایسی موت مرو جو تمہیں شہادت کی

موت سے سرفراز کرے اور جس کے صلہ میں دائمی عزت اور آسائش کا گھر تمہیں نصیب ہو۔

چوتھی آیت:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ١

ترجمہ: ”بیشک اللہ نے جنت کے بدلہ میں مومنین کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ وہ اللہ کی راہ میں کافروں سے اس طرح لڑیں کہ انہیں بھی قتل کریں اور خود بھی قتل ہو جائیں۔ یہ اللہ کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے جس کا بیان توریت میں بھی ہے، انجیل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی، اور اللہ سے بڑھکر اپنے قول کا پورا کرنے والا کون ہے تو خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

تشریح: اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب اتنے دلکش پیرائے میں دی گئی ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد دل و دماغ پر سرور و مستی اور جذبۂ سرفروشی کی

١۔ القرآن الکریم، سورۃ:٩، آیت: ١١١

ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اللہ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے، حالانکہ مومنین کی جان اور ان کا مال سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ لیکن قربان جایئے اس شان بندہ نوازی پر کہ اسی کی دی ہوئی جان اور اسی کا بخشا ہوا مال اسی کی راہ میں خرچ کرو اور جنت کے مالک و مختار بن جاؤ۔ قتل کرو جب بھی اور قتل ہو جاؤ جب بھی جنت کا استحقاق ہر حال میں محفوظ ہے۔ اور بات میں قوت پیدا کرنے کے لئے یہ یقین دہانی بھی کس غضب کی ہے کہ اللہ کا وعدہ اتنا پکا ہے کہ اس نے تورات، انجیل اور قرآن میں اپنے وعدہ کے ایفاء کا پورا پورا ذمہ لیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر مومنین جہاد کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر جنت کی طرف پیش قدمی نہ کریں تو ان سے بڑھکر بدقسمت اور کون ہوگا؟

پانچویں آیت:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ آبَاءُكُمْ وَ أَبْنَائُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِه وَ جِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِه فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِىَ اللّٰهُ بِأَمْرِه وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ [1]

۱۔ القرآن الکریم، سورۃ: ۹، آیت: ۲۴

ترجمہ: ''اے پیغمبر! آپ فرمادو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ کاروبار جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے اور اللہ نافرمانوں پر ہدایت کا دروازہ نہیں کھولتا۔''

تشریح: اس آیت کریمہ میں قرآن نے ان ساری چیزوں کا احاطہ کرلیا ہے جو جہاد میں جانے سے کسی انسان کو روک سکتی ہیں۔ ماں باپ چھوٹ جائیں گے...... اولاد کو خیر باد کہنا ہوگا...... بھائی بہنوں سے جدائی ہو جائیگی...... دل لبھانے والی بیویوں سے فراق کا صدمہ برداشت کرنا ہوگا...... خاندان کے اعزہ واقارب سے مفارقت ہو جائے گی...... کمایا ہوا مال قبضہ سے نکل جائیگا...... تجارت خراب ہو جائیگی...... پسندیدہ مکانات کو الوداع کہنا ہوگا..... اگر یہ چیزیں جہاد کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں تو اب یہ دل دہلانے والا اعلان سنئے جو غفلتوں کا نشہ اتارنے کے لئے کافی ہے کہ خدا کے عذاب کا انتظار کرو۔ عذاب کی اگرچہ کوئی تفصیل نہیں ہے، لیکن عذاب بہر حال عذاب ہے۔

شروع سے اخیر تک آیت کا مطالعہ کرنے کے بعد دونوں جہان کی خیر و عافیت اسی میں نظر آتی ہے کہ انسانی عواطف اور زندگی کے علائق کی ساری زنجیروں کو توڑ کر اہل ایمان میدان جہاد کی طرف دوڑیں۔ جبراً قہراً نہیں بلکہ جذبۂ شوق کی والہانہ

وارفتگی کے ساتھ کیونکہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ پیاری نہیں ہے اور کوئی رشتہ اللہ اور اس کے رسول کے رشتے سے زیادہ محترم نہیں ہے۔

جہاد احادیث کی روشنی میں

جہاد کے فضائل واحکام پر قرآن حکیم میں کئی آیتیں ہیں جن میں صرف پانچ آیتوں کا ذکر اوپر گذرا۔ اب جہاد کے فضائل پر چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث:

﴿...... مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ ، لَایَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَّلَاصَلٰوةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴾ ١

١۔ بخاری: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، جلد:١، ص:٣٩١، ت:غ، ط:غ، مط: أصح المطابع ہند، ن: اشرفی بکڈپو دیوبند۔
ایضا، مسلم: امام مسلم، جلد:٢، ص:١٣٤، ت:غ، ط:غ، مط: أصح المطابع ہند، ن: فاروقیہ بکڈپو دہلی۔

ترجمہ: امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال بالکل اس شخص کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہے اور اپنی راتوں کو قرآن کی تلاوت اور نماز پڑھنے میں بسر کرتا ہے۔ اور وہ روزے نماز سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کر کے واپس لوٹ آئے۔

تشریح: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے جہاد کے لئے نکلتا ہے اسے صائم الدہر کا بھی ثواب ملے گا اور قائم اللیل کا بھی۔ جب تک وہ جہاد سے واپس نہیں لوٹتا دن کے روزہ دار اور رات کے عبادت گذار کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہیگا۔

سبحان اللہ! ایک مجاہد کے لئے کتنے طرح کا اجر و ثواب ہے، غازی اور شہید ہونے کا ثواب الگ اور روزہ دار اور شب زندہ دار ہونے کا ثواب الگ۔

دوسری حدیث:

امام بخاری اور امام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَااَحَدٌ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَهٗ مَاعَلَی الْاَرْضِ مِنْ

شَیْءٍ اِلَّا الشَّهِیْدُ، یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَةِ ﴾ ۱

ترجمہ: تمہیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اس دنیا میں پھر واپس آنے کی خواہش رکھتا ہو سوا شہید کے، کہ وہ جنت کی نعمتوں اور لذتوں سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ اسے دنیا میں دسوں بار لوٹایا جائے تاکہ بار بار شہادت کی نعمت سے سرفراز ہونے کا اسے موقع ملے، اس کے دل میں یہ آرزو شہادت کے اس صلہ کی وجہ سے پیدا ہوگی جو جنت میں ہر طرف نظر آئے گا۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق منصب شہادت کا کیا صلہ ہے؟ اس کا اندازہ ہم اس دنیا میں نہیں لگا سکتے، جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمیں پتہ چلے گا کہ خدا کی راہ میں جان دینے کے عوض کیسے کیسے انعامات واکرامات وہاں تیار کئے گئے ہیں۔ یہ غیب جاننے والے رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہے کہ جو بات ہمیں جنت میں جانے کے بعد معلوم ہوتی، اسے اپنے فضل وکرم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں بتادیا تاکہ منصب شہادت کے حصول کی طرف ہم والہانہ جذبۂ شوق کے ساتھ پیش قدمی کریں۔

۱۔ بخاری، جلد: ۱، ص: ۳۹۵

تیسری حدیث:

﴿ .....قَالَ :اِنَّ فِیْ الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّاللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، مَابَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ كَمَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ...﴾ ا

ترجمہ : امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو درجے مقرر فرمائے ہیں، ہر درجہ کا دوسرے درجہ سے اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں سو درجہ کے ذکر سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سو جنتیں ہیں..........اور ہر جنت کا فاصلہ دوسری جنت سے اتنا ہی ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔

اب یہیں سے اندازہ لگائیے کہ جنت میں مجاہد کی ایک مملکت جب اتنی وسیع ہے تو سو مملکتوں کی وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ مولائے کریم ہر مرد مومن کو جنت کی یہ وسیع سلطنت نصیب فرمائے۔

ا۔ بخاری، جلد:ا، ص:۳۹۱

چوتھی حدیث:

﴿ عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ، يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دُفْعَةٍ ، وَيُرٰى مَقْعُدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَيَأْمَنُ مِنْ فَزَعِ الْاَكْبَرِ وَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ يَاقُوْتَهٗ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا ، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعَيْنِ وَيُشَفَّعُ فِىْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقَارِبِهٖ ﴾ [1]

ترجمہ: امام ترمذی نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے یہاں شہید کو چھ طرح کے اعزاز سے سرفراز کیا جاتا ہے:

.... پہلا اعزاز یہ ہے کہ دم نکلتے ہی سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

.... دوسرا اعزاز یہ ہے کہ اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھادیا جاتا ہے۔

.... تیسرا اعزاز یہ ہے کہ اسے قبر کے عذاب سے امان دیدی جاتی ہے۔

۱۔ جامع ترمذی: امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، جلد:۱، ص:۲۹۵، ت:غ ، ط:غ، ن:غ، مط: یاسر ندیم دیوبند

ایضا، ابن ماجۃ: امام محمد بن یزید، جلد:۲، ص:۲۰۱، ت:غ، ط:غ، ن:غ، مط: یاسر ندیم

.... چوتھا اعزاز یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ اور خوف و دہشت سے محفوظ رہے گا۔

.... پانچواں اعزاز یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا، جس میں یاقوت جڑے ہونگے۔ جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی ساری نعمتوں سے بہتر ہوگا۔

.... چھٹا اعزاز یہ ہے کہ ۷۲ رحور عین سے اس کا نکاح کیا جائے گا جن کی آنکھیں نہایت خوبصورت، پرکشش اور کشادہ ہونگی۔

تشریح: یہ چھ اعزازات ان نعمتوں کا ایک حصہ ہیں جو اللہ تعالیٰ شہیدوں کو عطا کریگا۔ بے شمار حدیثوں میں شہیدوں کے فضائل و مکارم اور ان کے مدارج و انعامات بیان کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام منصب شہادت کے حصول میں ہمیشہ سرشار نظر آتے تھے۔

پانچویں حدیث:

طبرانی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو قوم جہاد کو چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں کوئی ایسا عذاب ان پر مسلط کر دیتا ہے جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے“۔ ۱

۱۔ المعجم الکبیر: امام طبرانی، جلد: ۱۲، ص: ۳۳۱، ت: غ، ط: ۱، مط: دار الکتب العلمیۃ

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث امام مسلم نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلَىٰ شُعْبَةٍ مِنَ النِّفَاقِ ﴾ ١

ترجمہ: جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ نہ اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کی آرزو پیدا ہوئی تو وہ نفاق کی خصلت پر مرا۔

اسی طرح ایک حدیث ابوداؤد نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ لَمْ يَغْزُ أَوْ يُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ أَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ٢

ترجمہ: جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ جہاد کی تیاری میں کسی غازی کی مدد کی، اور نہ کسی غازی کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کی اچھی دیکھ بھال کی تو اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔

١۔ مسلم، ج:٢، ص:١٤١

٢۔ ابوداؤد: امام سلیمان بن اشعث، ج:١، ص:٣٣٩، ت:غ، ط:غ، مط: أصح المطابع ھند، ن: فاروقیہ بکڈپو دہلی

جہاد کی فضیلت میں ایک حدیث اور ملاحظہ فرمایئے اور اسے اپنے حال پر منطبق کیجئے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ لَیسَ شَیٌٔ أَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَینِ... قَطْرَۃٌ مِّنْ دُمُوْعٍ فِیْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَ قَطْرَۃُ دَمٍ تُھْرَقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ ﴾ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہے، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔

تشریح: اول الذکر حدیثوں میں مختلف انداز سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے نیز جہاد کے فضائل و مکارم کی نقاب کشائی کے ذیل میں اجر و ثواب کی بشارت عظمیٰ سے بھی آشنا کیا گیا ہے۔ ثانی الذکر احادیث میں تارکین جہاد کو خدا کے قہر و غضب سے ڈرایا گیا ہے اور آخری حدیث خون کے اس قطرہ کی حرمت و منزلت کو ظاہر کرتی ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ جب قطرہ کی یہ عظمت ہے تو جس کا وہ قطرہ ہے اس کی قدر منزلت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں جہاد کے مفہوم، مقاصد اور اسلام کی سربلندی کا جذبۂ دروں لیے ہوئے جنگ میں شرکت پر بے پایاں اجر و ثواب کی بشارتیں سن چکے۔ اب واقعات کے ذیل میں جہاد کی اہمیت کا اندازہ لگایئے۔

۱۔ ترمذی، فضائل جہاد، حدیث نمبر: ۱۵۷۰، انٹرنیٹ ایڈیشن

جہاد واقعات کی روشنی میں

خدا کی راہ میں جان دینے کا جذبۂ شوق خود رفتگی کے عالم میں دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام کی زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ وہ ہر وقت اس موقع کے انتظار میں رہتے تھے کہ کب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آواز دے اور ہم سروں کا نذرانہ لئے حاضر ہو جائیں۔ کوئی جان کی حفاظت کے لئے دعائیں مانگتا ہے اور وہ خدا کی راہ میں جان قربان کرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اس عنوان پر ذیل میں چند واقعات صرف اس لئے سپرد قرطاس کر رہا ہوں کہ دین حق کی سربلندی کیلئے سرفروشی کا وہی جذبہ کاش ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے۔

سرفروشی کا ایک رقت انگیز واقعہ

مدینہ کی وہ رات جس کی صبح کو معرکۂ بدر کے لئے روانگی تھی، عاشقان اسلام کے لئے عید کی رات سے کم نہ تھی۔ رات کی تنہائی میں دو سرفروش مجاہد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ شاید طلوع ہونے والی صبح تمنا کی خوشی میں ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔ عالم شوق کی سرمستی اتنی والہانہ ہو گئی تھی کہ بات بات پر پلکوں کا دامن بھیگ جاتا تھا۔ جذبات کے تلاطم میں۔ بے خود ہو کر ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا: طلوع

سحر میں اب چند ہی گھڑیوں کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ محویت شوق کا یہ پر کیف عالم شاید پھر نہ مل سکے، اس لئے آؤ کل کے پیش آنے والے معرکہ جنگ کے لئے اپنے رب کے حضور میں اپنی سب سے محبوب آرزو کی دعا مانگی جائے۔ یہ سنتے ہی فرط مسرت سے دوسرے ساتھی کا چہرہ کھل اٹھا، جذبہ شوق کی وارفتگی میں اس پیشکش کا خیر مقدم کرتے ہوئے جواب دیا۔ نہاں آرزو کی شادابی کے لئے اس سے زیادہ رقت انگیز لمحہ اور کیا مل سکتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تمہاری دعا پر میں آمین کہوں گا۔

اب دل کا عالم قابو سے باہر ہو چلا تھا۔ روح کی گہرائی سے لے کر پلکوں کی چلمن تک ساری ہستی ایک پرسوز کیف میں ڈوب گئی تھی۔ ہاتھ اٹھتے ہی دعا کے یہ الفاظ رات کی خاموش فضا میں بکھر گئے۔

خداوندا! کل میدان جنگ میں دشمن کا سب سے بڑا سورما اور جنگ آزمودہ بہادر میرے مقابلہ پر آئے........ میں اس پر شیر کی طرح ٹوٹ پڑوں...... پہلی ہی ضرب میں اس کی تلوار کی دھار موڑ دوں........ اس کے نیزے کے ٹکڑے اڑا دوں اور اپنی نوک شمشیر اس کے سینہ میں پیوست کر کے اسے زمین پر تڑپتا ہوا دیکھوں...... ٹھیک اس وقت جب کہ وہ شدت کرب سے چیخ رہا ہو میں اس کے قریب جا کر آواز دوں! آج تیرے کفر کا غرور ٹوٹ گیا...... تیری طاقت کا نشہ اتر گیا..... جس خدا کی غیبی قدرتوں کا تو نے مذاق اڑایا تھا، دیکھ! آج اس نے بادلوں کی اوٹ سے اپنے جلال و جبروت کا لشکر اس میدان میں اتار دیا ہے..... اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خدا کے محبوب پیغمبر کی فیروز مندیوں کا یہ منظر دیکھ لے کہ فتح و نصرت ان کے قدم کا بوسہ لے رہی ہے۔

پھر اس کا سر قلم کر کے ہمیشہ کے لئے ذلتوں کی خاک پر اسے روندے جانے کے لئے پھینک دوں۔

اب دوسرے ساتھی نے اپنی دعا کا آغاز یوں کیا۔

الٰہ العلمین! میری آرزو یہ ہے کہ کل پیش آنے والے معرکہ جنگ میں میرا مقابلہ دشمن کے سب سے جیوٹ اور دلیر سپاہی سے ہو...... وہ طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر میرے مقابلہ پر آئے...... شوق شہادت میں سرشار ہوکر میں اس کی طرف بڑھوں...... وہ میرے اوپر حملہ کرے...... میں اس کے اوپر وار کروں...... لڑتے لڑتے میں گھائل ہو جاؤں...... میرا سارا جسم زخموں سے چور چور ہو جائے...... اسلام کے ساتھ میری والہانہ محبت میری رگوں سے خون کے ایک ایک بوند کا خراج وصول کرلے یہاں تک کہ میں بے دم ہوکر زمین پر گر پڑوں...... دشمن میرے سینہ پر سوار ہوکر میرا سر قلم کرلے...... میری ناک کاٹ دے...... میری آنکھیں نکال لے...... میرے چہرے کی ہیئت بگاڑ دے اور میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے...... اس کے بعد میں اس حال میں تیرے سامنے پیش کیا جاؤں کہ میری ناک کٹی ہو..... آنکھیں نکال لی گئی ہوں..... کان جدا کر دیئے گئے ہوں...... زخموں کے نشانات سے میرے چہرے کی ہیئت بگاڑ دی گئی ہو..... سر سے پا تک خون میں نہائے ہوئے اپنے مسکین بندے کو اس حال میں دیکھ کر تو دریافت کرے! یہ تو نے اپنا حال کیا بنا رکھا ہے؟.... میری دی ہوئی آنکھیں کیا ہوئیں؟.... کان اور ناک کہاں پھینک آئے؟...... تیرا خوبصورت چہرہ کیسے بگڑ گیا؟

پھر میں جواب دوں کہ رب العزت! تیری اور تیرے محبوب کی خوشنودی کے

لئے یہ سب کچھ میرے ساتھ پیش آیا.....اب میری آخری تمنا ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جا اور اپنے محبوب کو راضی کر دے۔

واقعات کے رواۃ بیان کرتے ہیں کہ دونوں وارفتہ حال سرفروشوں کی یہ پر سوز دعائیں بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگئیں۔ دوسرے دن میدان جنگ میں دونوں کے ساتھ وہی واقعات پیش آئے، جو اپنے رب کے حضور میں بطور دعا انھوں نے مانگے تھے۔

عشق و اخلاص کی ارجمندی کا ایک بے مثال واقعہ

کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ''اسود راعی'' نام کا ایک شخص تھا۔ یہ ایک حبشی تھا، جو یہودیوں کے مویشی چرایا کرتا تھا۔ وہ صحرا سے اس قدر مانوس تھا کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ وہیں گذارتا تھا۔ ایک دن شام کو پلٹ کر آبادی میں آیا تو دیکھا کہ سارے یہودی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ تلواروں پر پانی چڑھایا جا رہا ہے۔ کہیں نیزے اور تیروں کی نوکیں صیقل کی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ سپاہیوں کی صف بندی کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ یہ منظر دیکھکر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے متعجبانہ لہجہ میں دریافت کیا! یہ کس کے ساتھ جنگ کی تیاری ہو رہی ہے؟ ایک یہودی نے جواب دیا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ عرب کے نخلستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبوت کا مدعی ہے۔ وہ اپنے ساتھ دیوانوں کی ایک فوج لے کر فلاں مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اور خیبر کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ یہ ساری تیاریاں اسی کے مقابلہ کے لئے ہو رہی

ہیں۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق امروز و فردا میں اس کی فوجیں ہمارے قلعہ کی فصیل تک پہنچ جائیں گی۔

یہ جواب سن کر چرواہے کے شعور میں اچانک جستجوئے شوق کا ایک چراغ جلا اور وہ حقیقت سے قریب ہو کر سوچنے لگا۔

بلاوجہ کوئی دیوانہ نہیں ہوتا اور وہ بھی دیوانوں کی فوج کی معیت میں جو جان دینے کے لئے ساتھ آئی ہے۔ جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر ہر طرح کا سودا ہو سکتا ہے لیکن جان کا سودا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچتے ہی بیساختہ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی ''یقیناً وہ ایک سچا پیغمبر ہے''۔ یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اپنی بکریوں کو ساتھ لئے ہوئے بیخودی کے عالم میں وہ ایک طرف چل پڑا۔ بالآخر سراغ لگاتے لگاتے وہ پیغمبر اسلام کے لشکر میں پہنچ گیا۔ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس نے پہلا سوال کیا:

آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دل کے کشور کا دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا: اس بات کی کہ اللہ واحد لاشریک ہے، اس نے اپنے بندوں کی ہدایات کیلئے نبیوں اور رسولوں کا ایک طویل سلسلہ دنیا میں قائم فرمایا، جس کی آخری کڑی میں ہوں۔

اس نے پھر دریافت کیا کہ اگر میں خدا کی توحید پر ایمان لاؤں اور آپ کی نبوت کا اقرار کر لوں تو مجھے کیا صلہ ملے گا؟

آپ نے فرمایا: عالم آخرت کی دائمی آسائش۔

پھر اس نے حقیقت سے قریب ہو کر اپنی بے مائیگی کا اس طرح اظہار کیا۔

یارسول اللہ! میں ایک حبشی نژاد ہوں...... میرے جسم کا رنگ سیاہ ہے.... میرا چہرہ نہایت بدشکل ہے..... میں ایک صحرا نشیں چرواہا ہوں..... میرے بدن کے پسینے سے بدبو نکلتی ہے..... لوگ مجھے حقیر نظر سے دیکھتے ہیں..... اگر میں بھی آپ کے دیوانوں کی فوج میں شامل ہو کر راہ خدا میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا مجھے بھی جنت میں داخلہ کی اجازت مل سکے گی؟

آپ نے ارشاد فرمایا: ضرور ملے گی اور پورے اعزاز واکرام کے ساتھ ملے گی۔

یہ سنتے ہی وہ بیخود ہو گیا اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے بکریوں کی بابت دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دوسرے کی چیز ہمارے لئے حلال نہیں ہے۔ انہیں قلعہ کی طرف لیجاؤ اور کنکر مار کر ہنکا دو۔ یہ سب اپنے اپنے مالک کے پاس چلی جائینگی۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب اسے ولولۂ شہادت کے ہیجان سے ایک لمحہ قرار نہیں تھا۔ فوراً الٹے پاؤں واپس لوٹ آیا اور مجاہدین اسلام کی صفوں میں شامل ہو گیا۔

واقعات کے راوی بیان کرتے ہیں کہ دوسرے دن جب میدان میں سپاہیوں کی قطار کھڑی ہوئی تو جذبۂ شوق کی بیتابی اس کے سیاہ چہرہ سے شبنم کے قطروں کی طرح ٹپک رہی تھی۔ طبل جنگ بجتے ہی اس کے ضبط وشکیب کا بند ٹوٹ گیا اور وہ اضطراب کے عالم میں دشمنوں کی یلغار میں کود پڑا۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سیاہ ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلوار کا منظر ایسا بھلا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کالی گھٹاؤں میں بجلی کوند رہی ہو۔ نہایت بے جگری کے ساتھ اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ زخموں سے سارا جسم لہولہان ہو گیا تھا، لیکن شوق شہادت

میں وہ دشمن کی طرف بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ چاروں طرف سے اس پر تلواریں ٹوٹ پڑیں۔ اب وہ نیم جاں ہو کر زمین پر تڑپ رہا تھا۔ گھائل جسم میں اس کی روح مچل رہی تھی کہ اب جنت کا فاصلہ بہت قریب رہ گیا تھا۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب اس کی نعش حضور سید العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو اس کے فیروز بخت انجام پر سرکار کی پلکیں بھیگ گئیں۔ فرمایا: اسے جنت کی نہر حیات میں غوطہ دیا گیا۔ اب اس کے چہرے کی چاندنی سے جنت کے بام و در چمک رہے ہیں۔ اس کے پسینہ کی خوشبو سے حوران بہشت اپنے اپنے آنچل معطر کر رہی ہیں۔ جنت کی دو حسین و جمیل حوریں اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے اسے باغ خلد کی سیر کرا رہی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان پر بہت سے صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین کے قلوب رشک سے مچل گئے۔ اس کے نصیبے کی ارجمندی پر سب محو حیرت تھے کہ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کوئی عمل خیر نہیں کیا تھا......... اس کے نامۂ عمل میں نہ ایک وقت کی نماز تھی نہ ایک سجدہ تھا...... سفید و شفاف کفن کی طرح زندگی کا سادہ ورق لئے ہوئے گیا اور بڑے بڑے زاہدان شب زندہ دار کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔

سچ کہا ہے عارفان طریقت نے! عشق و اخلاص کی ایک ادائے جنوں انگیز ہزار برس کی بے ریا عبادت و ریاضت پر بھاری ہے۔

لنگڑاتے ہوئے پاؤں سے

جنت کی سرزمین پر چہل قدمی کی تمنا

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نام کے ایک صحابی ہیں جو ایک پاؤں سے لنگ تھے، جنگ احد کے دن جب وہ اپنے فرزندوں کے ساتھ جہاد کے لئے آئے تو لنگڑانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان میں اترنے سے روک دیا۔ گڑگڑاتے ہوئے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے لڑنے کی اجازت مرحمت فرمایئے، میری تمنا ہے کہ لنگڑاتے ہوئے جنت میں چلا جاؤں۔ ان کی بیقراری اور گریہ وزاری دیکھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان میں اترنے کی اجازت دے دی۔ اجازت پاتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑے اور کافروں کے ہجوم میں گھس کر ایسی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ دشمن کی فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ گھائل ہوکر زمین پر گر پڑے یہاں تک کہ وہ شہادت کی موت سے سرفراز ہوئے۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد جب ان کی اہلیہ حضرت ہندہ نے ان کا جنازہ اونٹ پر لاد کر جنت البقیع کی طرف لیجانا چاہا تو ہزار کوششوں کے باوجود اونٹ ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا تھا۔ بار بار میدان جنگ ہی کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت ابن جموح رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا: گھر سے نکلتے وقت کیا ابن جموح نے کچھ کہا تھا؟

انھوں نے کہا کہ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی تھی: اللھم لاتعدنی الیٰ اھلی (یا اللہ مجھے میدان جہاد سے اپنے اہل وعیال کی طرف واپس نہ کرنا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ اب یہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جائیگا۔ ان کا جنازہ اسی میدان میں دفن کردو۔

ایک بیوہ کی تڑپتی ہوئی آرزو

چاندنی رات کا پچھلا پہر تھا۔ مدینے کی گلیوں میں ہر طرف نور برس رہا تھا اور پوری آبادی رحمتوں کی گود میں محو خواب تھی۔ آسمانوں کے دریچے کھل گئے تھے۔ فضائے بسیط میں فرشتوں کے پروں کی آواز دم بدم تیز ہوتی جارہی تھی۔ عالم بالا کا یہ کارواں شاید مدینے کی زمین کا تقدس چومنے آرہا تھا۔

اچانک اسی خاموش سناٹے میں بہت دور ایک آواز گونجی۔ فضاؤں کا سکوت ٹوٹ گیا۔ شبستان وجود کے سارے تار بکھر گئے اور ایمان کی تپش چنگاریوں کی طرح بال بال سے پھوٹنے لگی۔

میخانۂ عشق کا دروازہ کھلا.....کوثر کی شراب چھلکی ......اور جذبۂ اخلاص کی والہانہ سرمستیوں میں سارا عالم ڈوب گیا۔

یہ غلامان اسلام کے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز تھی، جس نے ہر گھر میں ایک ہنگامۂ شوق برپا کردیا تھا۔ اب مدینے کی ساری آبادی جاگ اٹھی تھی۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی ایک شکستہ گھر کے سامنے آواز دے رہا تھا۔

'' گلشن اسلام کی شادابی کے لیے خون کی ضرورت ہے۔آج نماز فجر کے بعد مجاہدین کا لشکر ایک عظیم مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔مدینے کی ارجمند مائیں اپنے نوجوان شہزادوں کا نذرانہ لے کر فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائیں۔''

کلمۂ حق کی برتری کے لیے تڑپتی ہوئی لاشوں کو خوشنودیٔ حق کی بشارت مبارک ہو......مبارک ہو خون کا آخری قطرہ جو ٹپکتے ہی اسلام کی بنیاد میں جذب ہو جائے۔

ایک ٹوٹے ہوئے دل کی طرح یہ ٹوٹا ہوا گھر ایک بیوہ عورت کا تھا۔چھ سال کے یتیم بچے کو گود میں لیے ہوئے وہ سو رہی تھی۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر چونک پڑی۔دروازے پر کھڑی ہو کر غور سے سنا۔سنتے ہی دل کو چوٹ ابھر آئی۔آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہو گئیں۔چھ سال کا یتیم بچہ سویا ہوا تھا۔فرط محبت میں بچے کو سینے سے چمٹا لیا۔سسکیوں کی آواز سن کر بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ماں کو روتا ہوا دیکھ کر بے تاب ہو گیا۔گلے میں باہیں ڈال کر معصوم اداؤں کے ساتھ دریافت کیا: ماں کیوں رو رہی ہو......کہاں تکلیف ہے تمہیں؟

آہ! ایک ناسمجھ بچے کو کیا معلوم کہ حسرتوں کی چوٹ کتنی دردناک ہوتی ہے۔کہاں چوٹ ہے؟ یہ نہیں بتایا جا سکتا،لیکن اس کی کسک سے سارا جسم ٹوٹنے لگتا ہے۔

پھر ایک بیوہ عورت کا دل تو اتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی ٹھیس سے چور چور ہو جاتا ہے۔

بچے کے اس سوال پر ماں کا دل اور بھر آیا۔غم کی چوٹ سے یک بیک جذبات کا دھارا پھوٹ پڑا۔گرم گرم آنسوؤں سے آنچل کا کونا بھیگ گیا۔

بچہ بھی ماں کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔

ماں نے بچے کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: میرے لال! مت روؤ...... یتیموں کا رونا عرش کا دل ہلا دیتا ہے ..... تمہارے گریۂ الم سے غم کی چوٹ اور تازہ ہو جائیگی...... بدر کی وادی میں ابدی نیند سونے والے اپنے شہید باپ کی روح کو مت تڑپاؤ..... دنیا چھوڑنے کے بعد بھی شہیدوں کے دل کا رابطہ اپنے خون کے رشتوں سے باقی رہتا ہے..... چپ ہو جاؤ....... مت روؤ میرے لال!

مگر بچہ روتا رہا۔ وہ بضد تھا کہ ماں کیوں رو رہی ہے۔ بالآخر اپنے بچے کے لیے ماں کی آنکھ کا ابلتا ہوا چشمہ سوکھ گیا۔ ماں نے بچے کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

بیٹا ابھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ، وہ جنہیں ہم دہکتی ہوئی آگ کا نکھرا ہوا سونا کہتے ہیں، یہ اعلان کرتے ہوئے گزرے ہیں کہ اسلام کا پرچم دشمنوں کی زد پر ہے۔ آج نماز فجر کے بعد مجاہدین کا ایک لشکر میدان جنگ کیطرف روانہ ہو رہا ہے۔ آقائے کونین نے اپنے جانباز وفاداروں کو آواز دی ہے کہ آج غیرت حق کا سمندر ہلکورے لے رہا ہے۔ رحمتوں کے تاجدار آج ایک ایک قطرۂ خون پر جنتوں کی بہار لٹا دیں گے۔ ایک لمحے میں آج قسمتوں کی ساری شکن مٹ جائے گی۔

کتنی خوش نصیب ہوں گی وہ مادارانِ ملت جو سپیدۂ سحر کی روشنی میں اپنے نوجوان صاحبزادوں کا نذرانہ لیے ہوئے سرکار رسالت مآب میں حاضر ہوں گی۔

آہ! کتنی قابل رشک ہوں گی ان کی یہ التجا یارسول اللہ! ہم اپنے جگر کے ٹکڑے آپ کے قدموں پر نثار کرنے لائی ہیں۔ اسی آرزو میں انہیں دودھ پلا پلا کر جوان کیا تھا کہ ایک دن ان کے لہو سے دین کا چمن سیراب ہوگا۔

یارسول اللہ! ہمارے ارمانوں کی یہ حقیر قربانی قبول فرمالیں، سرِ ا رعمر

بھر کی محنت وصول ہو جائے گی۔

یہ کہتے کہتے ماں کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔آواز بھر گئی۔ بچہ ماں کو روتا دیکھ کر مچل گیا۔

ماں نے کہا: بیٹا ضد نہ کرو۔ دل کی چوٹ تم ابھی نہیں سمجھ سکتے۔ میں اپنے نصیب کو رو رہی ہوں۔کاش آج میری گود میں بھی کوئی نوجوان بیٹا ہوتا تو میں اپنا نذرانۂ شوق لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتی۔

افسوس! کہ آج آخرت کے سب سے بڑے اعزاز سے محروم ہوگئی۔

یہ کہتے کہتے پھر دل کا درد جاگ اٹھا۔ پھر غم کی تپش بڑھ گئی۔اور پھر آنکھوں کے چشمے سے آنسو ابلنے لگے۔ بچے نے ماں کو چپ کراتے ہوئے کہا: اس میں رونے کی کیا بات ہے ماں؟ تمہاری گود تو خالی نہیں ہے۔ رحمت عالم کے حضور میں سب اپنے جوان بیٹوں کو لے کر جائیں گی اور تم مجھ ہی کو لے کر چلنا۔

ماں نے چمکارتے ہوئے جواب دیا: بیٹا! میدان کارزار میں بچوں کو نہیں لے جاتے .... وہاں تو شمشیر کی نوک سے دشمن کی صفیں الٹنے کے لیے جوانوں کے کس بل کی ضرورت پڑتی ہے .... وہاں سروں پر چمکتی ہوئی تلواروں کی بجلیاں گرتی ہیں .... وہاں نیزوں کی انی سے کفر کے جگر میں شگاف ڈالا جاتا ہے..... میرے لال! وہ قتل وخون کی سرزمین ہے، تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟

بچے نے ضد کرتے ہوئے کہا کہ اپنی کم سنی کے باعث ہم میدان کارزار میں جانے کے قابل نہیں ہیں لیکن بارگاہ رسالت میں حاضری کے لیے تو عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ ہماری قربانی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالی تو زہے نصیب .... اور اگر

بچہ سمجھ کر واپس کر دیا تو کم از کم اس کا تو غم نہیں رہے گا کہ اسلام کے لیے جان کی نذر پیش کرنے سے ہم محروم رہ گئے۔ جان چھوٹی ہو یا بڑی، بہر حال جان ہے اور جان ہونے کی حیثیت سے دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں۔

ماں نے فرط محبت سے بچے کا منہ چوم لیا اور حیرت سے منہ تکنے لگی۔ اس کم سنی میں داناؤں جیسا شعور صرف اس رحمت خاص کا صدقہ ہے، جو یتیموں کی نگراں ہے۔

سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا۔ جلوۂ زیبا کے پروانے آنکھوں میں خمار شوق لیے مسجد نبوی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ درد آشنا دلوں کے لیے ایک رات کا لمحۂ فراق بھی طویل مدت کی طرح بوجھل ہو گیا تھا۔ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خورشید کی پہلی کرن کے نظارہ کے لیے ہر نگاہ اشتیاق آرزو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے میدان میں مجاہدین کی قطاریں کھڑی ہو گئیں۔ جو نوجوان محاذ جنگ پر جانے کے قابل تھے، انہیں لے لیا گیا۔ باقی واپس کر دیے گئے۔ انتخاب کے کام سے فارغ ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا ہی رہے تھے کہ ایک پردہ نشیں خاتون پر نظر پڑی جو چھ سال کا بچہ لیے کنارے کھڑی تھی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''اس خاتون سے جا کر دریافت کرو، وہ بارگاہ رحمت میں کیا فریاد لے کر آئی ہے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قریب جا کر نہایت ادب سے پوچھا:

''دربار رسالت میں آپ کیا فریاد لے کر حاضر ہوئیں ہیں۔''

خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:

آج رات کے پچھلے پہر آپ اعلان کرتے ہوئے میرے گھر کے سامنے سے گزرے۔ اعلان سن کر دل تڑپ اٹھا۔ میرے گھر میں کوئی جوان نہیں تھا، جس کے خون کی اسلام کی بارگاہ میں نذر پیش کرتی۔ چھ سال کا یہ یتیم بچہ ہے، جس کا باپ گزشتہ سال جنگ بدر میں جام شہادت سے سیراب ہوا۔ یہی کل متاع زندگی ہے، جسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کرنے لائی ہوں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے بچے کو آغوش رحمت میں جگہ دی، سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور نہایت شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

میرے شہزادے! تم ابھی کم سن ہو۔ محاذ جنگ پر جوانوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ابھی تم اپنی ماں کی آغوش میں پلو، بڑھو اور گلشن اسلام کی بہار بنو۔ جب تمہارے بازو میں کس بل پیدا ہو جائے گا تو میدان جنگ خود تمہیں آواز دے گا۔

بچے نے اپنی تتلاتی ہوئی زبان سے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنی امی جان کو دیکھا ہے کہ جب وہ چولہا جلاتی ہیں تو پہلے چھوٹے چھوٹے تنکوں کو سلگاتی ہیں۔ جب آگ دہکنے لگتی ہے تو پھر موٹی موٹی لکڑیاں ڈالتی ہیں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جنگ کرنے کے قابل تو نہیں ہوں، لیکن کیا میدان کارزار گرم کرنے کے لیے مجھ سے تنکوں کا بھی کام نہیں لیا جا سکتا۔ اگر آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تو میری امی روتے روتے ہلکان ہو جائیں گی۔ وہ اس غم

میں ہر وقت روتی رہتی ہیں کہ آج میری گود میں بھی کوئی جوان بیٹا ہوتا تو میں بھی اسے اسلام کی نذر کر کے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا اعزاز حاصل کرتی۔

جن معصوم اداؤں کے ساتھ بچے نے اپنی زبان میں دل کے حوصلے کا اظہار کیا، سارے مجمع پر رقت طاری ہوگئی۔ سرکار بھی فرط اثر سے آبدیدہ ہو گئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جا کر اس بچے کی ماں سے کہہ دو کہ اس ننھی جان کی قربانی قبول کر لی گئی ہے۔ قیامت کے دن وہ غازیان اسلام کی ماؤں کی صفوں میں اٹھائی جائے گی۔

آج خدا کی ایک مقدس امانت سمجھ کر وہ بچے کی پرورش کا فرض انجام دے اور خدا کے یہاں بال بال کا اجر محفوظ رہے گا۔

ختم شد

شہنشاہ قلم مفکر ملت قائد اہل سنت

علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ

کی جدید تصانیف

ترتیب وپیشکش: ڈاکٹر غلام زرقانی

خطبات استقبالیہ

اظہار عقیدت

تجلیات رضا

عینی مشاہدات

شخصیات

زلف وزنجیر

صدائے قلم

مصادر ومراجع

ا۔ القرآن الکریم

حدیث وعلومه

۲۔ بخاری: امام محمد بن اسمعیل بخاری، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: فرید بک ڈپو دہلی
۳۔ بخاری: امام محمد بن اسمعیل بخاری، ت:غ، ط:غ، مط: أصح لمطابع ہند، ن: اشرفی بکڈ پو دیو بند۔
۴۔ ترمذی: امام محمد ترمذی، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: جمعیۃ المرکز الاسلامی
۵۔ مسلم: امام مسلم، ت:غ، ط:غ، مط: أصح المطابع ہند، ن: فاروقیہ بکڈ پو
۶۔ مسلم: امام مسلم بن حجاج، ت: ۱۹۹۷ء، مط: رومی پبلی کیشنز، ن: فرید بک سٹال
۷۔ مسلم: امام مسلم، ت:غ، ن:غ، ط:غ، مط: بولاق مصر
۸۔ جامع ترمذی، فضائل جہاد، حدیث نمبر: ۱۷۷۰، انٹرنیٹ ایڈیشن

۹۔ ابو داؤد: شیخ امام سلیمان بن اشعث، ت:غ، ط:غ، مط: أصح المطابع هند، ن: فاروقیہ بکڈپو دہلی

۱۰۔ المعجم الکبیر: امام طبرانی، ت:غ، ط:۱، مط: دار الکتب العلمیۃ

۱۱۔ جامع ترمذی: امام محمد بن عیسی ترمذی، ت:غ، ط:غ، ن:غ، مط: یاسر ندیم

۱۲۔ ابن ماجۃ: امام محمد بن یزید، ت:غ، ط:غ، ن:غ، مط: یاسر ندیم

۱۳۔ مشکوۃ المصابیح: امام ولی الدین محمد بن عبد الخطیب، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

۱۴۔ مسند احمد حنبل: امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر:۳۶۶۷، انٹرنیٹ ایڈیشن

۱۵۔ نزہۃ القاری: مفتی شریف الحق امجدی، مط:غ، ت:غ، ط:۱، ن: دائرۃ البرکات

۱۶۔ مرآۃ المناجیح: مفتی احمد یار خاں، ت:غ، مط:غ، ط:غ، ادبی دنیا دہلی

۱۷۔ جامع الاحادیث: مولانا حنیف خان، ت: ۲۰۰۱ء، ط:۱، مط:غ، رضا اکیڈمی

۱۸۔ مصطلحات الحدیث: الشیخ عبد الحق حقی محدث دہلوی، ت: ۲۰۰۴ء، ط:۱، مط: بھارت آفسیٹ پریس دہلی، ن: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۱۹۔ معرفۃ علوم الحدیث: محمد بن عبد اللہ حاکم نیساپوری، ت: ۱۹۹۷ء، ط:غ، مطبعۃ دار احیاء العلوم بیروت

فقه واصوله

۲۰۔ الاشباہ والنظائر: شیخ ابن نجیم، ت: ۱۴۰۶ ہجری، ط:غ، مط: محبوب پریس دیوبند

۲۱۔ شرح السیر الکبیر: شیخ محمد بن الحسن الشیبانی، ت: ۱۹۵۸ء، ط:غ، مط:غ، ن: مصر

۲۲۔ حصول المأمول من علم الاصول: نواب صدیق حسن خان قنوجی، ط:۱، ت: ۱۹۷۱ء،

مط :مطبعۃ الجامعۃ السلفیہ، ن: جامعہ سلفیہ بنارس
۲۳۔میزان الشریعۃ الکبری: امام شعرانی، ت:۱۲۷۹ ہجری، ط: غ، ن: الکستلیہ
۲۴۔مقدمہ شرح الفیہ للسیوطی، ت: غ، ن: غ، مط: مطبعۃ مصطفیٰ محمد
۲۵۔نورالانوار: شیخ احمد ملاجیون، ط: غ، ت: غ، ن: یاسر ندیم اینڈ کمپنی
۲۶۔الموافقات: امام ابو اسحاق ابراہم بن موسیٰ الشاطبی، ج: ۳، ، ت: غ، ط: غ،
مط: غ، ن: الرحمانیہ مصر
۲۷۔الرسالۃ: امام محمد بن ادریس شافعی، تحقیق: شیخ احمد محمد شاکر، ت: ۱۹۷۹ء، ط: ۲،
ن: دارالتراث قاہرہ
۲۸۔ النخبۃ النبھانیہ: الشیخ احمد النبھانی، ، ت: ۱۳۴۵ھ ، ط: غ، التقدم العلمیہ بجوار
جامع ازہر الشریف مصر
۲۹۔الفقہ الاسلامی وادلتہ: الشیخ وہبہ الزحیلی، ط: ۱، ت: ۱۹۸۴ء، مط: دارالفکر دمشق
۳۰۔ شرح مسلم الثبوت: الشیخ علامہ عبد الحق خیرآبادی، ط: غ، ت: غ،
مط: منشی نول کشور لکھنوَ
۳۱۔توضیح وتلویح: الشیخ علامہ سعد الدین تفتازانی، ت: غ، ط: غ، مط:
منشی نول کشور لکھنوَ الھند
۳۲۔مسلم الثبوت: علامہ محب اللہ بہاری، ت: غ، ط: غ، مط: الحسینیہ المصریہ

تاریخ وسیرت

۳۳۔ حجۃ اللہ البالغہ: شیخ ولی اللہ محدث، ت: غ، ط: غ، مط: غ، مکتبہ رحمانیہ لاہور
۳۴۔متن الشاطبی: شیخ شاطبی، انٹرنیٹ اڈیشن
۳۵۔امام اعظم: مولانا سید شاہ تراب الحق، ط: ۲، ت: ۲۰۰۳ء، مط: غ، ن: بزم رضا

۳۶۔مناقب لامام احمد بن حنبل: شیخ محمد بن الجوزی، تحقیق: دکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ط:۲، ت:۱۹۸۸، مط، ن: ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان

۳۷۔اعلام الموقعین عن رب العلمین: شیخ ابن قیم الجوزیۃ، حققہ: محمد محی الدین عبدالحمین، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: دارالباز مکۃ المکرمۃ

۳۸۔تہذیب التہذیب: علامہ ابن حجر عسقلانی، ت:غ، ط:غ، حیدر آباد

۳۹۔تذکرۃ الحفاظ: امام ابوعبداللہ محمد ذہبی، ت:غ، ط:غ، مط:غ، ن: اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور

۴۰۔ تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، ت: ۱۹۳۱ء، ط:۱، مط:غ، دارالتراث العربی بیروت۔

۴۱۔ الطبقات الشافعیہ: علامہ تقی الدین سبکی، ت:غ، مط:غ، ن:غ، مصر

۴۲۔ حیات امام اعظم: شیخ ابوزہرہ، ن: دہلی، ت:۱۹۸۷ء، ط:غ، مط:غ

۴۳۔ تذکرۂ حفاظ: امام شمس الدین ذھبی، مط:غ، ت:غ، اسلامک پبلشنگ

۴۴۔ تذکرہ: مولانا ابوالکلام آزاد، ت:۱۹۹۰، ط:غ، مط:غ، ساہتیہ اکاڈمی

۴۵۔طبقات: شیخ ابن سعد، ت:۱۹۰۴ء، مط: لیڈن

۴۶۔ تاریخ دمشق: شیخ ابن عساکر، ط:غ، ت:۱۹۵۴ء، مط:غ، بیروت

۴۷۔ استیعاب: حافظ عبدالبر، ط:غ، ت:۱۳۹۸ھ، دارالفکر بیروت

۴۸۔اصابہ: حافظ ابن حجر عسقلانی، ط:۱، ت: ۱۹۹۵ء، دارالکتب العلمیہ

۴۹۔اعلام: زرکلی، ت:۱۹۸۶، بیروت لبنان

۵۰۔اسدالغابہ: الشیخ ابوالحسن شیبانی، ط:۱، ت:۱۹۹۶ء، دارالکتب العلمیہ

۵۱۔حیات شیخ عبدالحق: خلیق احمد نظامی، ت:۱۹۶۴ء، ط:غ، مکتبہ جامعہ دہلی

متفرقات

۵۲۔ تفسیر ابن کثیر: شیخ عماد الدین، ت: غ، ط: غ، ن: ادبی دنیا دہلی

۵۳۔ احیاء العلوم: امام ابو حامد محمد الغزالی، ت: غ، ط: اول، مط: غ، مترجم: علامہ محمد صدیق ہزاروی، ن: فاروقیہ بکڈپو دہلی

۵۴۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ط: اول، ت: ۱۹۷۳ء، دانشگاہ پنجاب

۵۵۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، انٹرنیٹ ایڈیشن

۵۶۔ البدایہ والنھایہ: شیخ عماد الدین ابن کثیر، ص: ۲۹۶، ت: ۱۹۹۸ء، مط: قاہرہ

۵۷۔ تاریخ اصفہان: شیخ ابی النعیم، انٹرنیٹ ایڈیشن

فہرست اعلام